اثنا عشری گروہ کے ساتھ اصول میں

# عقلی گفتگو



تحریر: پروفیسر ڈاکٹر احمد بن سعد بن حمدان الغامدی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: پیرزادہ شفیق الرحمن شاہ الدراوی مکہ مکرمہ

## اثنا عشری گروہ کے ساتھ اصول میں

# عقلی گفتگو

تحریر: پروفیسر ڈاکٹر احمد بن سعد بن حمدان الغامدی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: پیرزادہ شفیق الرحمن شاہ الدراوی مکہ مکرمہ

## اثنا عشری گروہ کے ساتھ اُصول میں

# عقلی گفتگو

نام کتاب : عقلی گفتگو

تالیف : ڈاکٹر احمد بن سعد بن حمدان الغامدی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ : پیرزادہ شفیق الرحمن شاہ الدراوی

اشاعت : 2018ء
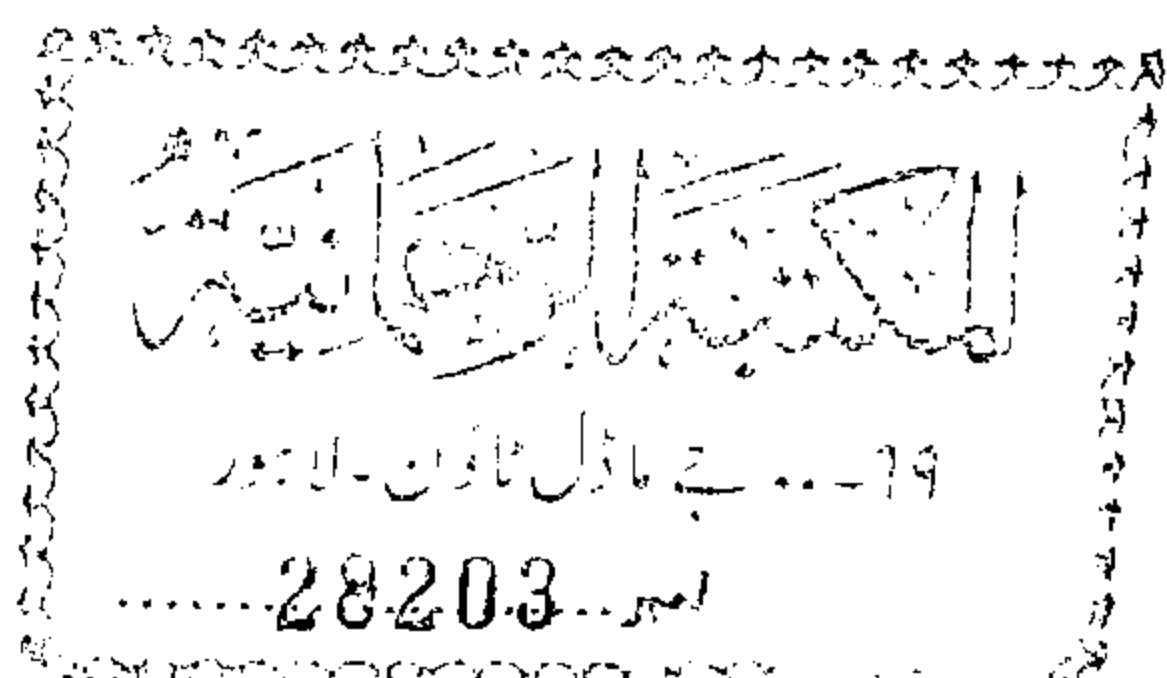
# مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد و علی آلہ و صحبہ أجمعین؛ وبعد:

''اصول عقیدہ'' کے دعوی میں شعیہ امامیہ اثنا عشریہ باقی گروہوں سے منفرد ہیں۔ ان کے علاوہ باقی اسلامی طوائف میں کوئی ایک بھی یہ عقائد نہیں رکھتا۔

ان عقائد میں غور کرنے والے پر واضع ہوتا ہے یہ عقائد آپس میں ٹکراو رکھتے ہیں۔ بلکہ ان کے بیان کردہ موقف، امامت اور مواصفاتِ امام اور اس بارے میں وارد اقوال و افعال ان عقائد سے ٹکراتے ہیں۔ اس بنیاد پر کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ ان عقائد میں ایسا خلل پایا جاتا ہے جو کہ دوبارہ تحقیق اور اعادہء نظر کا محتاج ہے۔

عقائد میں یقین مطلوب ہوتا ہے اور یقین اس وقت ممکن نہیں ہوتا جب تک عقائد ایک دوسرے کی تصدیق نہ کرتے ہوں، اور آئمہ کے اقوال (اگر وہ صحیح معنوں میں آئمہ ہوں تو) ان عقائد کی صحت و اثبات میں ہوں۔ کیونکہ عقائد دین کی اساس اور بنیاد ہوتے ہیں۔ لیکن جب قاعدہ اس بنیاد سے متناقض و متصادم ہو تو یہ اس کے باطل اور غلط ہونے کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کا مصدر ایک ہے؛ اور دین کے اجزاء آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور یہ محال ہے کہ عقائد ربانی عقائد ہوں اور آپس میں ٹکراتے بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ [النساء 82]

'' بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے''۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تناقض صرف عقائد کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ فروع تک کو شامل ہے اس لئے کہ آپ شیعہ کتب میں کسی حکم شرعی میں کوئی ایسی روایت نہ پائیں گے جس کے پہلو بہ پہلو دوسری ایسی روایت نہ ہو جو اس حکم سے ٹکراتی ہو۔ اس سے یہ بات واضح طور پر یقینی ہو جاتی ہے کہ ان روایات کا مصدر ایک نہیں ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں مرنے والے شیعہ عالم الطّوسی جس کی کتابیں شیعہ مذہب کی اساس سمجھی جاتی ہیں، نے اپنی کتاب تہذیب الاحکام کے مقدمہ میں کہا ہے:

''مجھے میرے بعض ساتھیوں نے بتایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی تائید کرے۔ کہ:

''ہمارے اصحاب کی احادیث کی روشنی میں ہم پر جو سب سے بڑا حق ہے۔ اور پھر جو اس مسئلہ میں اختلاف، تفرقہ اور تضاد واقع ہوا ہے حتی کہ اب یہ عالم ہے کہ کوئی بھی روایت ایسی نہیں جس کے مقابل دوسری روایت نہ ہو۔ اور کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس سے مختلف یا اس کے منافی دوسری حدیث نہ ہو، حتی کہ ہمارے مخالفین نے اس چیز کو ہمارے مذہب پر سب سے بڑا طعنہ بنالیا ہے''۔

آگے چل کر وہ کہتا ہے:

''حتی کہ ایک جماعت جس کے پاس قوی علم اور معانی الالفاظ کا فہم اور وجوہ نظر کی بصیرت نہیں تھی، ان پر شبہات داخل ہوئے، اور ان میں سے بہت سے لوگ حق عقیدہ چھوڑ گئے۔ اس لئے کہ ان پر معاملات مشتبہ ہو گئے تھے۔ اور وہ ان کا حل تلاش کرنے سے عاجز آ گئے تھے......''۔ آہ۔

میں کہتا ہوں: یہ اصول وفروع اس تناقض کی وجہ سے شیعہ کو بہت سخت ضرورت ہے کہ وہ اپنے عقیدہ پر نظر ثانی کریں۔ تاکہ خود یقین کی اس منزل پر پہنچ جائیں جس کی ان کے علماء انہیں وصیت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا ایمان ہے کہ عقیدہ کے امور میں تقلید نہیں کی جا سکتی۔ مگر جب یہ تناقض شیعہ کے سامنے آتا ہے تو ان پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس حق کی

تلاش کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملیں کہ ان کا عقیدہ صحیح نہ ہو۔

یہ مختصر سی تحقیق ان شا اللہ محققین کے لئے بحث وتمحیص اور غور وفکر کی کنجی ثابت ہو گی تا کہ اس خطرناک تناقض سے نجات حاصل ہو۔

یہ بات سات مسائل کی تحقیق کرنے سے ممکن ہے:

1۔ کیا امامت اصولِ دین میں سے ایک ہے؟

2۔ حدیث غدیر خم کیا ہے؟

3۔ کیا امامت نبوت کی طرح ہے؟

4۔ شیعہ اثنا عشریہ کے پاس دعوتِ عصمت آئمہ

5۔ کیا تقیہ دین کا حصہ ہے؟۔

6۔ اثنا عشریہ کے آئمہ اور خوارق عادات۔

7۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین۔

واللہ الموفق وهو الهادي إلى سواء السبيل۔

مؤلف

أحمد حمدان غامدی رحمہ اللہ

نظر ثانی برائے طبع دوم

مترجم

پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ الدراوی

حال وارد حرم مکی الشریف

mob:0501253804

پہلا مسئلہ :

# امامت

کیا امامت اصول دین سے ہے؟ اور کیا یہ قطعی دلائل سے ثابت ہے؟

## شیعہ کے ہاں امامت :

شیعہ کے ہاں امامت دین کا ایک بنیادی اصول ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید، نبوت، بعثت اور اس کے ساتھ نماز، زکواۃ، روزہ اور حج وغیرہ۔ ان کے ہاں عقائد کی کتابوں میں اس کی متعدد روایات ملتی ہیں۔

## شیعہ اور امامت کی روایات

الکلینی نے اپنی سند سے ابوجعفر سے روایت کیا ہے، کہا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، نماز، روزہ، زکواۃ، حج اور ولایت [1]۔

اور ایسے کسی چیز کا اعلان نہیں کیا گیا جیسا کہ ولائیت کا پرچار کیا گیا ہے۔ لوگوں نے باقی چار ارکان کو تو قبول کر لیا مگر ولائیت کو ترک کر دیا۔

شرح الکافی میں اس حدیث کا شیعہ کے ہاں درجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "موثق کالصحیح" یہ حدیث ان کے ہاں انتہائی قابل اعتبار ہے؛ بالکل صحیح روایات کی طرح" [2]۔

اس روایت میں انہوں نے شہادتیں جو کہ اسلام کا اہم اور عظیم ترین رکن ہے کو ساقط کر کے اس کی جگہ ولائیت کو رکھا ہے۔ اور پھر اسے سب سے بڑا رکن شمار کرتے ہوئے کہا ہے اور ایسے کسی چیز کا اعلان نہیں کیا گیا جیسے ولائیت کا پرچار کیا گیا ہے۔

اس پر ایک اور حدیث بھی دلالت کرتی ہے، جس میں سابقہ نص کو ذکر کیا گیا ہے اور

[1] اصول الکافی، کتاب الایمان والکفر، باب دعائم الاسلام ۲۔ برقم ۳۔

[2] شرح الکافی، ۵/ ۲ برقم ۱۴۷۸۔

اس میں یہ الفاظ زیادہ بھی ہیں راوی کہتا ہے میں نے کہا ان ارکان میں سے کون سی چیز سب سے افضل ہے؟۔ فرمایا: ''ولایت'' ❶۔

اور یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ایک سو بیس بار معراج ہوئی، اور ان میں سے ہر بار اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ہر فریضہ سے بڑھ کر ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد دیگر آئمہ کی وصیت کی'' ❷۔

ہمیں یہ پتہ نہیں چل سکا کہ ہر بار اس کا تکرار کیوں کیا جاتا تھا؟

کیا رسول اللہ ﷺ بھول جاتے تھے یا اس کی کوئی دوسری وجہ تھی؟

پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صرف ایک اسراء کا ذکر کیا ہے پھر یہ ایک سو بیس اسراء کا ذکر کہاں سے آ گیا ہے؟۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب روایات میں سے کلینی اپنی کتاب الکافی میں ایسی پندرہ روایات لائے ہیں۔ جبکہ ان میں سے ایک روایت بھی ہمارے نبی کریم ﷺ سے منقول نہیں۔ ہم اہلِ سنت اپنا دین تو صرف نبی کریم ﷺ سے ہی لیتے ہیں۔

## علمائے مذہب کی تائید کہ امامت ایک اصول ہے:

عقائد کی کتابوں میں اثنا عشری علما نے اسی عقیدہ پر اعتماد کیا ہے۔ اور اسے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ ہم یہاں پر بطور نمونہ صرف تین مثالیں درج کرتے ہیں:

شیعی اثنا عشری عالم جعفر السبحانی نے اپنی کتاب الملل والنحل میں کہا ہے:

''کیا امامت اصول دین میں سے ہے یا فروع دین میں سے''

اس عنوان کے تحت جو کچھ کہتا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

---

❶ [اصول الکافی کتاب الایمان والکفر، باب دعائم الاسلام ۲/ ۱۸۔ یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔ جیسا کہ شیعہ مشائخ نے کہا ہے دیکھو: (الشافی، ۹۵۵۔ یہ حدیث تفسیر عیاشی میں بھی آتی ہے۔ ۱/ ۱۹۱۔ البرھان ۱/ ۳۰۳۔ بحار الانوار: ۱/ ۱۹۴.

❷ ابن بابویہ؛ الخصال ۶۰۰-۶۰۱۔ بحار الانوار ۲/ ۶۹.

''شیعہ کا شروع دن سے اتفاق ہے کہ امامت کے اصول دین میں سے ایک اصول ہے''❶۔

محمد رضا مظہر کہتا ہے:

''ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت دین کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔ اس پر عقیدہ رکھے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا''❷۔

اور خمینی بھی یہی کہتا ہے:

''امامت دین اسلام کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے''❸۔

جبکہ دیگر چار اصول جن کا گذشتہ سطور میں امامت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جنہیں اہل سنت والجماعت ارکان اسلام کہتے ہیں۔ یہ تمام امت کے ہاں کتاب اللہ کے قطعی دلائل سے ثابت ہیں۔ جبکہ امامت کی کوئی قطعی دلیل کتاب وسنت میں نہیں پائی جاتی۔

## اہل سنت والجماعت کے ہاں ارکانِ اسلام:

اس سے قبل کہ ہم جناب نبی کریم ﷺ سے وارد وہ صحیح روایت ذکر کریں جس میں اہل سنت والجماعت کے نزدیک ارکان اسلام کا بیان ہے جن پر اسلام کی بنیاد قائم ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کے دین کا اہم رکن شامل ہے، جسے ان لوگوں نے اس روایت سے ختم کر دیا ہے جس میں ارکان اسلام کا بیان ہے۔ جس کے بغیر اسلام مکمل نہیں ہوتا اور اس کی جگہ پر ولائیت کو لے آئے ہیں۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ سے مروی حدیث میں یہ رکن موجود ہے مگر انہوں نے اس کی جگہ ولائیت کا ذکر کیا ہے؛ اور پھر دوسری روایت میں بھی اسے بیان کیا۔ یہ عظیم الشان رکن لِا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینا ہے۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بنى الإسلام على خمس شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً

---

❶ [الملل والنحل ۲۵۷۔ ❷ [عقائد الامامیہ ۱۰۲۔] ❸ [کشف الاسرار ص ۱۴۹۔]

رسول الله ﷺ وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة والحج وصوم رمضان.)) ❶۔

''اسلام کا قصر پانچ ستونوں پر بنایا گیا ہے، اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز پڑھنا، زکواۃ دینا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا''۔

اس روایت میں ولایت کا ذکر تک نہیں۔

## قرآن مجید سے ارکان دین کے دلائل:

آمدہ سطور میں کتاب اللہ سے وہ قطعی دلائل ذکر کیے جائیں گے جن سے یہ ارکان ثابت ہوتے ہیں۔

## پہلا رکن: الوھیت ونبوت:

الوھیت: سینکڑوں آیات میں اللہ تعالیٰ کی الوھیت بیان ہوئی ہے۔ان میں سے ایک یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ﴾[البقرہ ۱۶۳]

''اور تمہارا معبود اللہ تعالیٰ واحد ہے اس بڑے مہربان اور رحم والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں''۔

نیز فرمایا:﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ........ ﴾۔[البقرہ ۲۵۵]۔

''اللہ معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں؛وہ زندہ ہمیشہ رہنے والا''۔



## نبوت:

نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک قرآن میں چار مرتبہ صریح طور پر آیا ہے جبکہ نبوت یا رسالت کے وصفت کا بیان اور اس کے ساتھ ندا بیسیوں آیات میں وارد ہوئی ہیں۔

❶ [بخاری ۷ ۔ مسلم ۲۱]۔

مثلاً فرمان الٰہی ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾

(الفتح: ۲۹)

''محمد اللہ ﷺ کے رسول ہیں اور جولوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں،آپ انھیں رکوع اورسجدہ کرتے دیکھیں گے؛ وہ اپنے رب کافضل اوراس کی رضا ڈھونڈتے ہیں''۔

نیزفرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾۔ [آل عمران ۱۴۴]

''اورمحمد ﷺ توصرف اللہ کے پیغمبر ہیں ان سے پہلے بھی پیغمبر ہوگزرے ہیں بھلا اگرآپ مرجائیں یا مارے جائیں توتم الٹے پاؤں پھر جاگے؟اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرسکے گا اوراللہ شکر گزاروں کوثواب دے گا''۔

اورفرمان الٰہی ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾

[اعراف ۱۵۸]

''فرمادیں کہ لوگو!میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں ؛ اللہ جوآسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے۔اس کے سوا کوئی معبودنہیں ۔ وہی زندگانی اورموت دیتا ہےتو اللہ پراوراس کے رسول ؛ نبی امی ﷺ پر جو اللہ پراور اسکے تمام کلام پرایمان رکھتے ہیں ایمان لاؤ

اور ان کی پیروی کرو تا کہ ہدایت پاؤ''۔

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾۔[التوبہ ۱۲۸]۔

''یقیناً تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان پر گراں ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے خواہشمند ہیں۔ مومنوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں''۔

## دوسرا رکن نماز:

نماز کی فرضیت اور اس کو قائم کرنے کے بارے میں کئی ایسی نصوص وارد ہوئی ہیں جن میں نماز کو ایمان کی شرط قرار دیا گیا ہے مثلاً فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾[النسا ۱۰۳]۔

''بیشک نماز کا مومنوں پر اوقات مقررہ میں ادا کرنا فرض ہے''۔

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾۔[البقرة ۱۱۰]

''اور نماز ادا کرتے رہو اور زکواۃ دیتے رہو اور جو بھلائی اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے ہاں پالو گے کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے''۔

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ وَ هُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾

[الانعام ۷۲]

''اور یہ کہ نماز پڑھو اور اس سے ڈرو اور وہی تو ہے جس کے پاس تم جمع کیے جاؤ گے''۔

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿فَإِنْ تَابُوا وَ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ نُفَصِّلُ الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾۔[توبہ ۱۱]۔

''اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکواۃ ادا کریں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور اہل علم کے لئے ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔''

## تیسرا رکن زکاۃ:

جہاں جہاں پر نماز کا ذکر ہوا ہے وہاں اس کے ساتھ ہی زکاۃ کا ذکر بھی ہوا ہے۔لیکن انفرادی طور پر اس کی فرضیت کے بارے میں یہ آیات ہیں۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾۔[توبہ ۶۰]۔

''بیشک زکواۃ وصدقات تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان اور تالیف قلب والوں کا حق ہے۔اور غلاموں کی آزادی اور قرض کی ادائیگی اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کی مدد میں یہ مال خرچ کرنا چاہئے۔ یہ فریضہ اللہ کی طرف سے ہے؛ اور اللہ علیم وحکیم ہیں''۔

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ أَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ آتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾۔[بقرۃ ۴۳]

''نماز قائم کرو؛ زکواۃ ادا کرو؛ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو''۔

## چوتھا رکن روزہ:

فرمان الٰہی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [البقرۃ ۱۸۳]

"مومنو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو"۔

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾[بقرة ۱۸۵]

"رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور جس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو حق وباطل کی تفریق ہے تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پائے تو اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے؛ اور جو بیمار یا مسافر ہو تو دوسرے دنوں میں ان کی گنتی پوری کرلے۔ اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔ اور یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ تم روزوں کی گنتی پوری کرلو اور اس احسان کے بدلے کہ اللہ نے تم کو ہدایت بخشی ہے تم اس کو بزرگی سے یاد کرو اور اس کا شکر کرو"۔

## پانچواں رکن حج:

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾[آل عمران ۹۷]۔

"اور اللہ کیلئے لوگوں کے ذمہ بیت اللہ کا حج کرنا ہے جو اس کی طرف راستے کی طاقت رکھے اور جو نہ مانے تو بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے پرواہ ہے"۔

یہ پانچ ارکان قرآن میں دلیل قطعی کے ساتھ ثابت ہیں۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں،

امت کے تمام گروہ انہیں مانتے ہیں۔ تو پھر قرآن سے امامت پر دلیل قطعی کہاں ہے؟

جیسے ان ارکان کے بارے میں دلیل موجود ہے، اور تمہارے عقیدہ کے مطابق ان سب کا حکم ایک ہی ہے، قرآن میں شروع سے لے کر آخر تک اُس امامت کی مطلقاً ایک دلیل بھی نہیں جس کا تم ایمان وعقیدہ رکھتے ہو۔

پھر تم کیسے گمان کرتے ہو کہ امامت دین کے اصولوں میں سے ایک اصول یعنی رکن ہے۔ اور اس کے وجوب پر کتاب اللہ میں ایک بھی دلیل نہیں۔

اگر تم کہو کہ اس بارے میں بہت سارے دلائل ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ: صرف ایک ہی دلیل پیش کر دو۔

## اثنا عشریہ اور قرآن سے امامت پر دلیل

اگر تم یہ کہو کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ﴾۔[المائدہ ۵۵]

''تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے پیغمبر ہیں اور وہ مومن لوگ ہیں جو نماز پڑھتے اور زکواۃ دیتے ہیں اور (اللہ کے آگے) جھکتے ہیں''۔

یہ ان کی اہم ترین دلیل ہے جسے وہ بطور حجت پیش کرتے ہیں۔ ان کے القاب کے مطابق شیخ الطائفہ۔ الطّوسی کہتا ہے:

''امامت پر قرآنی نصوص میں سے قوی ترین دلیل یہ آیت ہے:

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ﴾۔[المائدہ ۵۵]

''تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے پیغمبر ہیں اور وہ مومن لوگ ہیں جو نماز پڑھتے اور

زکواۃ دیتے ہیں اور (اللہ کے آگے ) جھکتے ہیں''❶۔

اور طبرسی نے کہا ہے: نبی کریم ﷺ کے بعد امامت بلا فصل کے واضح تین دلائل میں سے ایک یہ آیت بھی ہے❷۔

ہم پوچھتے ہیں اس آیت میں امامت کا ذکر کہاں ہے؟

اگر تم کہو کہ ولایت کو امامت کے معنی میں ذکر کیا گیا ہے۔

تو ہم پوچھتے ہیں: آپ نے ولایت کی تفسیر امامت سے کیسے کی؟

اس کا معنی امامت نہیں ہے۔اس آیت سے قبل دوسری آیات گزری ہیں جن میں ولایت کا ذکر ہے؛اور جو کچھ تم نے بیان کیا ہے؛ وہ شیعہ اور اہل سنت کے اجماع کے خلاف ہے۔آپ ان آیات پر اچھی طرح غور وفکر کریں اور پھر ان سے سابق و لاحق سے تفسیر سمجھیں ۔فرمان الٰہی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ○ وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ○ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

---

❶ [تلخیص الشافی ۲/ ۱۰]۔ ❷ [مجمع البیان ۲/ ۱۲۸]۔

وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ○ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ○﴾۔ [المائدة ۵۱۔۵۸]۔

”اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انھیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ ان میں سے ہوگا، بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ پس آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ دوڑ کر ان میں جاتے ہیں، کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ ہمیں کوئی چکر آ پہنچے، تو قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے، یا اپنے پاس سے کوئی اور معاملہ؛ تو وہ اس پر جو انھوں نے اپنے دلوں میں چھپایا تھا، پشیمان ہو جائیں۔ اور ایمان والے کہتے ہیں: کیا یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی پختہ قسمیں اٹھائیں؛ اللہ کی قسم کھائی تھی کہ وہ یقیناً تمھارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال تباہ ہو گئے، اور وہ خسارہ پانے والے ہو گئے۔ اے اہل ایمان! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ عنقریب ایسی قوم کو لے آئے گا کہ وہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے، مومنوں پر بہت نرم ہوں گے، کافروں پر بہت سخت۔ اللہ کے راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ اسے دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کو اور اہل ایمان کو دوست بنائے؛ تو یقیناً اللہ کا گروہ وہی لوگ ہیں جو غالب ہیں۔ اے ایمان والو! جنھوں نے تمھارے دین کو مذاق اور کھیل

بنا لیا، اور جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور کفار کو دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرو، اگر تم ایمان والے ہو۔ اور جب تم نماز کی طرف آواز دیتے ہو تو وہ اسے مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں"۔

تو پھر آپ نے اس کی تفسیر کو امامت سے کرنا کیسے جائز سمجھا۔ اور دوسرے مقامات پر خود تم نے راس کی تفسیر غیر امامت سے کی ہے، جیسا کہ تمہاری تفاسیر میں ہے۔ قرآن مجید ان الفاظ سے بھرا ہوا ہے۔ اور یہ کلمات اپنے متعدد مشتقات کے ساتھ کہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف اور کہیں لوگوں کی طرف۔ اور ان میں کسی ایک جگہ بھی کلمہ امامت کے معنی میں نہیں آیا۔ تو پھر یہاں اس کلمے کو الٹ کر اس سے امامت کا معنی نکالنے کی کوشش کیوں کی گئی؟

## قرآن میں ولایت سے مراد شیعہ والی ولایت نہیں:

کتاب اللہ میں یہ کلمہ بغیر کسی اضافت کے تقریباً بیس مواقع پر وارد ہوا ہے۔ یہاں پر اس کے معانی نصیر، حفیظ اور نگہبان کے ہیں۔ مثلاً: فرمان الٰہی ہے:

﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ﴾۔ [بقرة ۱۰۷]۔

"تمھیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں"۔

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ﴾ [بقرة ۱۲۰]۔

"اور تم سے یہود و نصاریٰ کبھی خوش نہ ہوں گے حتی کہ آپ ان کے مذہب کی پیروی اختیار کر لیں۔ فرما دیجیے: اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اور اگر آپ اس علم کے آ جانے پر

بھی ان کی خواہشوں پر چلو گے تو اللہ کے ہاں آپ کا کوئی دوست و مددگار نہ ہوگا''۔

اور یہ اسم ظاہر کی طرف مضاف بھی وارد ہوا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾[البقرة ۲۵۷]۔

''جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کا دوست اللہ ہے کہ انہیں اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافروں کے دوست شیطان ہیں کہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیرے میں لے جاتے ہیں یہی لوگ اہل دوزخ ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾۔[آل عمران ۶۸]۔

''ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر اور اہل ایمان؛ اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا کارساز ہے''۔

اور کہیں یہ اسم ضمیر کی طرف مضاف ہو کر آیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ﴾۔[آل عمران ۱۵۰]۔

''بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور سب سے بہتر مددگار ہے''۔

یہاں پر اس کی تفسیر نصرت سے کی گئی ہے۔ جیسا کہ لفظ مَوْلٰكُمْ سے ظاہر ہے، کیونکہ اس کے بعد فرمایا گیا ہے وهو خير الناصرين۔ پس معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا نصیر و مددگار ہے؛ اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے۔ یہی حال باقی مقامات کا بھی ہے۔ تو پھر امامت کیونکر مراد ہوئی۔ نیز لغت عرب میں مَوْلٰكُمْ، مُوْلٰهُمْ، مَوْلَاهُ، وليكم، وليهم کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ کلمات امام کے معنی میں کہاں آتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی

مراد امامت ہوتی تو واضح طور پر فرما دیا جاتا کہ: علی امامکم علی رضی اللہ عنہ تمہارے امام ہیں۔

یا فرمادیا جاتا کہ: علی وال علیکم یعنی علی رضی اللہ عنہ آپ لوگوں کے حاکم ہیں۔

یا فرمادیا جاتا: تمہارے ولی الامر ہیں۔

اگر امامت دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہوتی تو یہ کلمات اس موضوع کے ساتھ مناسبت رکھتے تھے۔ تو اللہ عزوجل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام کیوں نہیں لیا؟

اور آپ کے اوصاف واضح الفاظ میں بیان کیوں نہیں کیے کہ آپ امام ہیں؟ جیسا کہ دوسرے ارکان ایمان بیان کیے گئے ہیں۔

**ولایت کی تفسیر خود اپنی دلیل پر کاری وار ہے:**

اگر آپ یہ کہیں کہ ہم یہ تفسیر اس لئے کرتے ہیں کہ کتب تفسیر میں آیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جیسے بعض تفاسیر میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رکوع کی حالت میں اپنی انگوٹھی صدقہ کی۔

تو ہم کہتے ہیں: یہ نص بذات خود امامت پر دلالت نہیں کرتی اور نہ ہی یہ سنت کی نص کے بغیر سمجھ میں آ سکتا ہے۔ تو پھر آپ کیسے گمان کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ دلیل قطعی کے ساتھ ثابت ہے۔ اور دلیل کو قطعی اس وقت تک قبول نہیں کیا جا سکتا جب تک اس کی دلالت پر تمام اہل اصول کا اتفاق نہ ہو۔ پس سابقہ تمام ارکان کیسے قرآن کریم سے دلیل قطعی کے ساتھ ثابت ہو سکتے ہیں جو کہ بذات خود ان اصولوں پر دلالت کرتے ہیں۔ اور کسی خارجی بیان کی ضرورت نہیں رہتی۔ جبکہ امامت کی دلیل خود اپنی تفسیر کے لئے ایک خارجی دلیل کی محتاج ہے۔ اور تمہارے عقیدہ کے مطابق یہ مسئلہ ان اصولی مسائل میں سے ہے جن پر تمہارے نزدیک کفر و ایمان اور جنت و جہنم کا دارومدار ہے۔

**آیت کی شان نزول:**

اولا: جس خارجی دلیل پر تم لوگ اعتماد کرتے ہو یعنی سببِ نزول؛ تو یہ بذات خود درست نہیں۔

تو پھر تم اپنے دین کے بارے میں ایسی دلیل پر اعتماد کیوں کرتے ہو جو کہ تمہارے دین میں صحیح نہیں ہے۔ اس روایت کی تین اسناد ہیں تین کی تین ضعیف روایات ہیں۔

اول: اس کی سند میں ایوب بن سوید ہے۔ اس کے بارے میں بہت کلام ہوا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ضعیف ہے"۔

امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "حدیث کا چور تھا نا قابل اعتماد آدمی ہے"۔

دوسری: سند میں غالب بن عبداللہ القطیعی الجزری ہے۔ اس کے بارے میں یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "نا قابل اعتماد آدمی ہے"۔

دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: "متروک ہے" [1]۔

تیسری: سند میں محمد بن سلمی بن کہیل ہے۔ علامہ جوز جانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "گیا گزرا بہت کمزور حدیث والا تھا"۔

ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "اس نے اپنے باپ سے حدیث سماعت کی تھی"۔ پھر آپ نے اس کی منکر روایات گننا شروع کر دیں۔

اس مسئلہ میں مزید بحث بھی ہے۔ جس کا متحمل یہ مقام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہاں پر مقصود مختصر الفاظ میں آگاہ کرنا ہے۔ یہ ان روایات کی اسانید ہیں جن کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ یہ اس بارے میں نازل ہوئی ہیں؛ یہ صحیح سند سے ثابت ہی نہیں۔

پھر ہم یہ بھی کہتے ہیں کیا تم ان روایات کو صحیح ثابت کر سکتے ہو؟ چلو تمہارے اس منہج کے مطابق جو تم نے اہل سنت کی تقلید میں تصحیح والی روایات کیلئے ایجاد کر لیا ہے؟ کیا یہ صحیح ہے بھی؟

دوئم: اس آیت کی شان نزول میں ایک اور روایت بھی وارد ہوئی ہے وہ بھی ضعیف ہے لیکن باعتبار عقل استدلال میں اس سے بہتر اور اقرب الالحق ہے۔ یہ روایت ان سابقہ روایات سے قبل امام طبری رحمۃ اللہ نے نقل کی ہے؛ اور اس سے انہوں نے اس آیت کی تفسیر ولایتِ ایمانی سے کی ہے نہ کہ ولایت امامت سے۔ آپ فرماتے ہیں: اس آیت کی تفسیر:

---

[1] [میزان الاعتدال ۳/ ۳۳۱]

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾ [المائدہ ۵۵]

'' تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز پڑھتے اور زکواۃ دیتے اور (اللہ کے آگے) جھکتے ہیں''۔

یعنی ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ سے مراد یہ ہے کہ: ''اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ تمہارا کئی مددگار نہیں اور وہ مومن جن کی صفات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں''۔

جہاں تک یہود و نصاری کا تعلق ہے جن سے برأت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اور ان سے دوستی لگانے سے منع کیا ہے۔ وہ تمہارے ولی اور دوست و مددگار نہیں ہوسکتے؛ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں۔ پس تم انہیں دوست [ولی] مت بناؤ۔

پھر فرمایا: کہا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت عبادہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی، جب انہوں نے اپنے حلفاء بنو نضیر سے برأت کا اظہار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان سے ولایت کا اظہار کیا۔

* میں کہتا ہوں: یہ روایت تضعیف کے صیغہ سے روایت کی گئی ہے۔ کیونکہ اس میں ''قیل'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو اہل سنت کے منہج کے مطابق تضعیف کے لیے آتا ہے۔

پھر اسی سند سے روایت ہے کہ جب بنو قینقاع سے جنگ ہوئی تو حضرت عبادہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جو کہ بنی عوف بن خزرج میں سے ایک تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حلف قائم کرتے ہوئے یہود سے برأت کا اظہار کر لیا۔ اور فرمانے لگے: میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان سے دوستی کا اعلان کرتا ہوں اور کفار کے حلف اور ان کی ولایت سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ﴾۔[المائدہ ۵۵]

''تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز پڑھتے اور زکواۃ دیتے اور (اللہ کے آگے) جھکتے ہیں''۔

کیونکہ حضرت عبادہ نے فرمایا تھا کہ میں اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان سے دوستی کرتا ہوں اور بنو قینقاع سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔

پھر آپ نے ابو جعفر الباقر سے اس کی تفسیر نقل کی ہے کہ: یہ تمام اہل ایمان کی ولایت ہے۔

طبری نے اپنی سند سے؛ اور ایسے ہی ابن ابی حاتم اور دیگر حضرات نے عبدالملک بن ابو سلیمان۔ ابو جعفر کے شاگرد سے روایت کیا ہے؛ وہ ابو جعفر سے روایت کرتا ہے۔ فرمایا: میں نے آپ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ﴾۔[المائدہ ۵۵]

''تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز پڑھتے اور زکواۃ دیتے اور (اللہ کے آگے) جھکتے ہیں''۔

میں نے کہا: یہ ایمان لانے والے کون ہیں؟

فرمایا: جو ایمان لائے ہیں۔

ہم نے کہا: ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔

فرمایا: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لانے والوں میں سے ایک تھے''۔

روایت کی تحقیق اور ان کے اختلاف کے بیان کے اسباب اور تمام روایات کی عدم صحت کے بارے میں ایک تیز اور جلدی کی تحقیق ہے۔ یہ اس بات سے آگاہ کرنے کے لئے ہے کہ اکثر اسباب نزول میں استدلال نہیں ہوتا۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی ان لوگوں پر رد کیا

جائے جو علمائے اثنا عشریہ لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ۔ اور پھر اس روایت کا ضعیف ہونا بیان نہیں کرتے۔ یہ سب کچھ تنزل کے باب سے تعلق رکھتا ہے ورنہ ہم مانتے ہیں کہ قرآن کے بغیر بھی ہر رکن پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام قرآن میں کیوں نہیں آیا؟

پھر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ: جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر آپ کا نام لیکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ آپ کو امام بنانے کا ہوتا یا امامت آپ کی طرف منسوب کی ہوتی ، کیونکہ اس سے جھگڑا ہی ختم ہو جاتا۔ جیسا کہ باقی اصولوں میں ہوا ہے۔ خصوصا جب کہ آپ کے اصولوں کے مطابق اس پر جنت اور جہنم اور ایمان اور کفر کا دارومدار تھا۔

اور اگر آپ کا خیال یہ ہو کہ اس صراحت سے قرآن میں تبدیلی ظہور پذیر ہوتی جیسا کہ خمینی نے کہا ہے:

> ''اگر مسئلہ امامت کا اثبات قرآن کریم سے ہوتا تو وہ لوگ جنہیں قرآن اور اسلام سے کوئی غرض نہیں تھی جو صرف دنیا اور جاہ و مرتبہ کے طلبگار تھے تو وہ قرآن کو اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے وسیلہ بنا لیتے۔ اور ان آیات کو صفحات سے حذف کر کے قیامت تک کے لئے قرآن کو تمام جہان والوں کی نظر میں گرا دیتے'' [1]۔

ہم کہتے ہیں: یہ قول کہنے والے کے لئے خطرناک ترین اقوال میں سے ہے، کیونکہ اس کا نتیجہ اللہ رب العالمین کی تکذیب کی صورت میں نکلتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کا ہر حال میں پورا ہونا ضروری ہے۔ اور جو کوئی یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ اگر امامت کا کھل کر ذکر کیا جاتا تو اللہ رب العالمین اپنی کتاب کی حفاظت

[1] کشف الاسرار؛ ص: ۱۳۔

نہیں فرما سکتے تھے؛ تو ایسا عقیدہ رکھنے والا انسان کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾۔ [الحجر ۹]۔

''بیشک ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے؛ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔

## امامت پر حجت اور قرآن میں اس کا عدم ذکر:

بقیہ ارکان کی طرح امامت پر حجت قرآن میں اس کا ذکر کئے بغیر قائم نہیں ہو سکتی۔

ہم دوبارہ سے بات شروع کرتے ہوئے کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کسی رکن کو اپنے بندوں پر کیسے فرض کر سکتے ہیں۔ جسے تبدیلی کے ڈر سے قرآن میں بیان نہ کیا جا سکے اور پھر ان لوگوں کا کیا گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی مراد پر قرآن میں واضح دلیل نہیں پاتے جس طرح کہ باقی ارکان کے واضح دلائل پائے جاتے ہیں۔ پھر ان سے اس کا عقیدہ رکھنے کا مطالبہ ہو اور اس پر ان کا محاسبہ کیا جائے، اور اس کے بغیر ان کے اعمال قبول نہ کئے جائیں۔ اس چیز کو عقلِ سلیم تسلیم نہیں کرتی۔ ہمارے لئے بہتر یہی تھا کہ اس مسئلہ میں قرآن سے شیعہ کی اہم ترین دلیل جو کہ جامع اور شامل تھی کی اتباع کریں اور سابقہ بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ اس آیت میں ان کے حق میں کوئی دلیل نہیں۔ اور ایسے ہی سنت مطہرہ سے بھی دلیل پیش کی جائے۔

اگر ان کے عقیدہ کے مطابق مسئلہ امامت ان فروعی مسائل میں سے نہیں ہے جن کی تفصیل سنت میں تلاش کی جائے لیکن قرآن سے باہر بھی ان کا استدلال انتہائی کمزور ہے، یہ بیان کرنے کے لئے ہم حدیث کا بھی ذکر دوسرے مسئلہ میں کر دیتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ:

# حدیث غدیر

سنت مطہرہ سے امامت پر اہم ترین دلیل حدیث غدیر خم ہے۔

شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی امامت کا ذکر کئی احادیث میں آیا ہے ان میں سے ایک حدیث، حدیث غدیر بھی ہے۔ اسے کئی الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے صرف آگے آنے والے الفاظ ہی صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں۔

## حدیث غدیر کا متن:

(( من کنت مولاہ فعلی مولاہ ۔))

''جس کا میں مولا ہوں پس علی بھی اس کے مولا ہیں''۔ [مولا یعنی محبوب]

ایک اور روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:

(( اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ))۔

''اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو ان سے دوستی کرے؛ اور ان کے دشمن سے دشمنی رکھ''

باقی جو الفاظ اس روایت کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں وہ تمام صحیح اور ثابت نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک ضعیف یا موضوع حدیث سے استدلال کرنا فروع دین میں بھی جائز نہیں، تو پھر اصول دین میں کہاں جائز ہوگا؟۔ ہم غیر کے لئے بھی یہ بات پسند نہیں کرتے۔ پس بایں سبب ہم تھوڑی دیر کے لئے اس وقت اور جگہ کے متعلق ایک وقفہ لیں گے اور ان لوگوں کے متعلق بھی جو وہاں پر حاضر تھے۔ تاکہ عقلی طور پر غور و فکر کرنے سے حدیث کی مراد ہم پر واضح ہو جائے۔

## اعلان حدیث کا زمانہ اور جگہ:

روایات کے مطابق یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج مکمل کرنے کے بعد واپسی کے

سفر میں مدینہ طیبہ کی طرف ایک سو پچاس میل سفر طے کرنے کے بعد ارشاد فرمائی۔ جس جگہ پر یہ واقع پیش آیا اس کا نام غدیر خم تھا اور وہ اٹھارہ ذوالحجہ کی تاریخ تھی۔ اس وقت آپ کے ساتھ اہل مدینہ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں تھا۔ نہ ہی اہل مکہ میں سے نہ ہی اہل طائف نہ ہی اہل یمن اور نہ ہی اہل یمامہ اور نہ ہی کسی دوسرے شہر کا کوئی باشندہ۔ اس لئے کہ باقی لوگ مکہ سے اپنے اپنے شہروں کو چلے گئے تھے۔ اور یہ جگہ ان کے راستے میں نہیں پڑتی تھی۔

**سوال** :سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ حدیث اس امامت عظمی سے متعلق ہوتی، جسے شیعہ اثنا عشریہ دین کے اصولوں میں سے ایک اصول مانتے ہیں۔ تو پھر نبی کریم ﷺ نے اس چیز کو عرفات، منی اور مکہ کے دیگر مقامات پر لوگوں کے عظیم الشان اجتماع میں کیوں بیان نہیں کیا جب کہ اس معاملہ میں تمام لوگ برابر خصوصیت کے حامل تھے، مگر پھر بھی آپ ﷺ اس کا اعلان صرف اپنے اصحاب میں سے اہل مدینہ کے سامنے کرتے ہیں؟

میرا خیال نہیں کہ کوئی عقلمند انسان جو کہ اپنی عقل کا احترام کرتا ہو وہ اس حدیث کے اعلان کے وقت اور جگہ کو بھی جانتا ہو اور پھر یہ کہے کہ اس حدیث سے مراد امامت عظمی ہے، حالانکہ اس کا اعلان مسلمانوں کے ایک گروہ کے سامنے ہوا ہے۔

اور پھر شیعہ یہ گمان کرتے ہیں کہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس وصیت کو چھپا دیا تھا۔

پھر ہم پوچھتے ہیں: کیا رسول اللہ ﷺ یہ بات جانتے تھے کہ یہ لوگ وصیت چھپائیں گے یا نہیں؟

اگر تم کہو: ہاں جانتے تھے۔

تو ہم یہ کہیں گے کہ: اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی وصیت کو نافذ نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو چھوڑ دیا۔ جو کہ آپ کے حق میں گواہی دیتے، اگر آپ ﷺ نے اس عظیم الشان موقع پر اعلان کیا ہوتا۔ اور پھر جا کر ان لوگوں میں اعلان کیا جو تمہارے خیال کے مطابق خائن لوگ تھے۔

اور اگر تم کہو کہ: آپ ﷺ نہیں جانتے تھے۔

تو پھر ہم پوچھتے ہیں: کیا اللہ عزوجل اس بات کو جانتے تھے یا نہیں؟

اگر آپ کہو کہ بلاشک اللہ تعالیٰ جانتے تھے۔

تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ: پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ حکم کیوں نہ دیا کہ آپ حج کے موقع پر مسلمانوں کے بہت بڑے اجتماع میں اس کا اعلان کریں تاکہ یہ تمام لوگوں پر حجت بھی ہو جائے اور اس کو چھپانا ممکن بھی نہ رہے۔

پھر یہ کیسے ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک لاکھ لوگوں کو چھوڑ دیا اور وہ اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ نبی کریم ﷺ کو یہ حکم نہ دیا کہ ان میں امامت کا اعلان کیا جائے اور پھر ایک چھوٹے سے گروہ میں اعلان کا حکم دیدیا اور وہ لوگ بھی تمہارے عقیدہ کے مطابق خائن لوگ تھے۔

دریں صورت اللہ تعالیٰ بھی اپنی وصیت کا نفاذ نہیں چاہتے تھے۔

اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ بعض شیعہ علما کا خیال ہے کہ اس جگہ پر تمام حاجی جمع ہوتے ہیں۔ یہ ایسی بات ہے جس پر رد کرنا بھی بلاوجہ مشقت ہے۔ اس لئے کہ ہر وہ شیعہ جس نے حج کیا ہو وہ اس دعوی کے جھوٹ ہونے سے آگاہ ہے۔

پس شیعہ آج تک اس جگہ پر جمع ہوتے ہیں اور عید مناتے ہیں۔

یہ کچھ ہر سال اٹھارہ ذوالحجہ کو ہوتا ہے۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے کافی دور ہے۔ یہاں سے صرف اہل مدینہ ہی گزرتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

## سبب ورودِ حدیث:

کوئی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ اگر اس حدیث سے امامت عظمی مراد نہیں تو پھر کیا مراد ہے؟

ہم کہتے ہیں: طبری میں ایسی روایات وارد ہوئی ہیں جن سے اس حدیث کا سبب بیان ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حجاج کے وفود سے دور یہ کلمات کیوں ارشاد فرمائے؟۔

یہ ذکر کیا گیا ہے کہ: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے واپس تشریف لائے تو آپ کے ساتھیوں کے مابین کچھ جفا ہو گئی جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

ابنِ جریر نے اپنی سند سے یزید بن طلحہ بن یزید بن رکانہ سے روایت کیا ہے کہ جب

حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے تشریف لائے تو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے جلدی آگے نکل گئے اور اپنی جگہ لشکر میں سے ایک آدمی کو جانشین بنا دیا۔ اس آدمی نے لشکر والوں کو ریشمی لباس پہنا دیے جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب یمن سے لائے تھے۔ جب لشکر قریب پہنچا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے آگے آئے اور ان پر ریشمی لباس دیکھ کر کہا: تمہارے لئے بربادی ہو یہ کیا کیا؟

اس جانشین نے کہا: یہ لباس اس لئے پہنایا ہے تاکہ جب لوگوں میں جائیں تو خوبصورت لگیں۔ تو آپ نے فرمایا: ہلاکت ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنے سے پہلے یہ اتار دو، انہوں نے وہ لباس اتار کر واپس اپنی جگہ پر رکھ دیے، لیکن لوگوں کے دلوں میں شکوہ باقی رہا۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فصل: اس حدیث کے متعلق جو دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج الوداع سے واپسی پر جحفہ کے قریب مکہ اور مدینہ کے درمیان میں خطبہ دیا تھا، اس جگہ کو غدیر خم کہا جاتا ہے۔ اس خطبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے فضائل بیان فرمائے اور آپ کی عزت و آبرو کی اس چیز سے برأت ظاہر کی جس پر وہ لوگ اعتراض کرتے تھے جو آپ کے ساتھ یمن میں تھے۔ اور اس کا سبب اس مال کی واپسی تھا جسے یہ لوگ جور و ستم، تنگی [سختی] اور آپ کا بخل شمار کرتے تھے۔ جبکہ حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا"۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج سے فارغ ہوئے اور مدینہ واپس لوٹے تو آپ نے راستہ میں بہت ہی عظیم الشان خطبہ دیا یہ اٹھارہ ذوالحجہ پیر کے دن اور بمقام غدیر خم کا واقع ہے۔ وہاں پر ایک درخت کے نیچے یہ خطبہ دیا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قرابت داری، عدل و امانت بیان کیے۔ جس سے بہت سارے لوگوں کے دلوں سے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو گیا"[1]۔

اس سے وہ سبب واضح ہو گیا جس کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے متفرق ہو

[1] [البدایہ والنہایہ ۵/ ۲]۔

جانے کے بعد اس وقت خطبہ دیا تھا جب آپ کے ساتھ معدود صحابہ رہ گئے تھے آپ ﷺ نے انہیں وعظ ونصیحت کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بتائی۔

تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ امامت کے ساتھ خاص نہیں تھا۔ بلکہ اس اختلاف کے ساتھ خاص تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کے مابین پیدا ہو گیا تھا۔ پس ایسی چیز کا حج میں تمام لوگوں میں اعلان کرنا مناسب نہیں تھا۔

یہ بھی اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس اعلان کو مؤخر کیوں نہیں کیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس امت کے مربی اور اس امت کے دلوں میں پائی جانے والی جرح ختم کرنے کے حریص تھے۔ اور صحابہ کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آ گیا تھا جس کی وجہ سے کچھ لوگوں کے دلوں میں حزن و ملال اور کدورت تھی، اور ابھی بہت لمبا راستہ باقی تھا۔ آپ ﷺ نے محسوس فرمایا کہ اتنے لمبے راستے میں دلوں میں وحشت اور کدورت کا باقی رہنا مناسب نہیں۔ خصوصاً وہ لوگ جن کا اس معاملہ سے براہ راست تعلق تھا۔ اور پھر مدینہ میں ایسے لوگ بھی باقی تھے جو مدینہ کی حفاظت کیلئے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کا بھی اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور آپ ﷺ نے یہ محسوس فرمایا تھا کہ تمام لوگوں میں حج میں اس کا اعلان مناسب نہیں یہاں تک کہ علیحدہ ہو جائیں۔ اور جب علیحدہ ہو گئے تو پھر جلدی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ بھی بیان کر دیا تا کہ وہ لوگ اپنے مؤقف سے رجوع کر لیں جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں جفا ہو گئی تھی۔ کیونکہ یہ تمام لوگ نبی کریم ﷺ سے محبت کرتے تھے اور آپ کی رضامندی کے حصول کے حریص تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((من كنت مولاه فهذا علي مولاه))

''جس کا میں دوست ہوں اس کا یہ علی رضی اللہ عنہ بھی دوست ہے''۔

یہ انتہائی مختصر کلمہ ہے جس سے دلوں کی میل کا ختم کیا جانا ممکن تھا۔

یہ اعلان اپنے موقع و محل پر ہے۔

یہ اعلان نہ وقت سے پہلے مناسب تھا اور نہ ہی وقت میں تاخیر کر کے۔

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اس کا سبب امت کے ایک گروہ کے ساتھ خاص تھا پوری امت کے ساتھ عام نہیں۔

## بعض روایات کے زائد الفاظ:

بعض روایات میں یہ الفاظ زیادہ وارد ہوئے ہیں:

(( الهم وال من والاه و عاد من عاداه . ))

"اے اللہ! اس سے دوستی کر جو ان سے دوستی کرے؛ اور اس سے دشمنی رکھ جو اس سے دشمنی رکھے"۔

اس کے باوجود کہ ان الفاظ کے صحیح اور ثابت ہونے میں علماء کا اختلاف ہے پھر بھی یہ حدیث اپنے سابقہ استدلال سے فارغ نہیں ہوتی۔ اور وہ استدلال یہ ہے کہ یہاں پر مولاہ کی تفسیر محبت [محبوب] سے کی گئی ہے نہ کہ امامت سے۔ اس لئے کہ اگر یہاں پر امامت مراد ہوتی تو یوں فرمایا جاتا:

(( اللهم والِ من اطاعه وعاد من عصاه ۔ ))

"اے اللہ! اس سے دوستی کر جو ان کی اطاعت کرے؛ اور اس سے دشمنی رکھ جو اس کی نافرمانی کرے"۔

یقیناً آپ نے موالاۃ یعنی دوستی اور اس کی ضد کا ذکر کیا ہے جو کہ عداوت ہے۔ اور یہی چیز حدیث کے سبب کے ساتھ مناسب تھی۔ اور یہ سبب وہ جفا تھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کے مابین پیدا ہو گئی تھی۔ اور یہ حدیث ان مقدمات کا علاج تھی جن کے بارے میں کسی بڑی عداوت یا حادثہ پیش آنے کا سبب بننے کا اندیشہ تھا۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی صحابہ میں کچھ رنجش پیدا ہو گئی تھی۔

## حدیث میں زائد الفاظ صحیح نہیں ہیں:

اس حدیث میں اپنی طرف سے کچھ جھوٹے الفاظ زیادہ کئے گئے ہیں تاکہ یہ حدیث

امامت عظمیٰ سے متعلق بن جائے۔

آپ اس حدیث کے سبب؛ واقعہ کی جگہ اور وقت پر غور کریں تو اس سے خود اس دعوی کا باطل ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اگر اس سے مراد امامت ہوتی تو پھر دوسری جگہ یعنی مکہ مکرمہ اس اعلان کے لئے مناسب تھا۔ جہاں حجاج کا اجتماع ہوتا ہے، اور پھر کسی دوسرے وقت میں یعنی ایام حج میں تمام حاجیوں کے سامنے اس کا اعلان کیا جاتا۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ تمام حاجیوں سے متعلق تھا۔ اس لئے کہ اس کا تعلق پوری امت سے تھا۔ میرا خیال نہیں ہے کہ طالب حق کے لئے اس سے بڑھ کر مزید کسی وضاحت کی ضرورت ہو گی۔ اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ حق بات واضح ہوگئی ہے۔

## اس کے برعکس روایت کی صحت:

شیعہ امامیہ کا خیال یہ ہے کہ اس [مذکورہ بالا روایت] کے علاوہ بھی بیسیوں احادیث ایسی ہیں جن سے امامت ثابت ہوتی ہے۔

ہم کہتے ہیں: بیسیوں دیگر صحیح احادیث ایسی ہیں جو اس دعوی کو رد کرتی ہیں۔

❀ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقولہ روایات میں ثابت ہے۔

تو ہم کہتے ہیں: آپ کی اور ہماری کتابوں میں ان سے بڑھ کر صحیح اور ثابت وہ روایات ہیں، جن میں آپ کی وصیت کا انکار اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی خلافت کا اثبات ہے۔

## نہج البلاغہ سے دعوی امامت کا ابطال:

''نہج البلاغہ'' شیعہ اثنا عشریہ کی معتمد کتاب ہے۔ اس میں ایسی روایات موجود ہیں۔ ان میں سے ایک: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

''تم لوگ مجھے چھوڑ دو اور میرے علاوہ کسی اور کو چن لو۔ کیونکہ ہم ایسے کام کا استقبال کرنے جا رہے جس کے کئی رنگ اور چہرے ہیں اور اس پر دلوں کو قرار نہیں اور نہ ہی عقول کو ثبات ہے۔ آفاق اپنے اندر کئی رنگ چھپائے ہوئے ہے اور راہیں اوپری لگ رہی ہیں۔ اور جان لو کہ اگر میں تمہاری بات مان لوں گا تو ایسی چیز پر سوار ہو جاؤں گا

جس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نہ ہی کسی کہنے والے کی بات سن سکوں گا اور نہ ہی منع کرنے والے کا عتاب کام آئے گا اور اگر تم مجھے چھوڑ دو گے تو میں بھی دیگر افراد کی طرح تمہارا ایک فرد ہوں گا۔ اور یقیناً میں اس کے لئے جسے تم اپنا حاکم بناؤ زیادہ اطاعت گزار اور بات ماننے والا بن کر رہوں گا۔ میں تمہارا وزیر بن کر رہوں یہ اس سے بہتر ہے کہ میں تمہارا امیر بنوں" ❶۔

آپ تو مطالبہ کر رہے ہیں کہ آپ کو امامت کی ذمہ داری سے معاف رکھا جائے۔

اگر آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین امام ہوتے تو آپ کے لئے ایسا کرنا روا نہ ہوتا ۔ پھر آپ تائید و تاکید کرتے ہیں کہ ان کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ ان کے علاوہ کسی دوسرے کو امیر بنائیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو اس امامت کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ اور آپ کے لئے جائز تھا کہ کسی دیگر کی امامت کو قبول کر لیں۔

آپ سابقہ کلام سے بھی بڑھ کر واضح الفاظ میں اور سخت اصرار کے ساتھ فرما رہے ہیں:

"میری اطاعت و بیعت ان لوگوں نے اسی بات پر کی ہے جس پر انہوں نے ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کی بیعت کی تھی۔ کسی شاہد کو انکار کا کوئی اختیار حاصل نہیں اور نہ ہی کوئی غائب اس کو رد کر سکتا ہے۔ بیشک شوریٰ مہاجرین و انصار کیلئے ہے۔ اگر یہ لوگ کسی ایک آدمی پر جمع ہو جائیں اور اسے اپنا امام بنا دیں تو اسی میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے۔ اگر معاملہ کسی طعن یا بدعت کی وجہ سے باہر نکل جائے تو وہ اسے اپنی اصل پر لوٹائیں گے۔ اگر کوئی نہ مانے تو اس سے اہل ایمان کی راہ چھوڑنے کی وجہ سے قتال کریں گے اور اللہ اسے اسی طرف لے جائیگا جس طرف وہ پھرا ہے" ❷۔

آپ تائید فرما رہے ہیں کہ امامت منصوص من اللہ نہیں ہے بلکہ شوریٰ سے طے ہوتی ہے۔ اور یہ کہ شوریٰ جس کو اپنا امام قرار دیدے وہ امام کہلانے کا مستحق ہے ورنہ نہیں۔

اور اگر امامت منصوص من اللہ ہوتی تو لوگوں کے ساقط کرنے سے ساقط نہ ہوتی۔ اور پھر

❶ [نہج البلاغة؛ خطبہ نمبر ۹۲؛ ص ۲۳۶]۔ ❷ [نہج البلاغہ ۶۲۵]۔

آپ تائید کر رہے ہیں کہ جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین امام قرار دے دیں؛ وہ امامت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اور صحابہ کرام بشمول آپ کے حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کو خلیفہ قرار دیتے تھے۔ اسی میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی تھی۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وارد یہ نصوص اور دوسرے عقلی سوالات ان روایات کو جھوٹ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں جن روایات نے امت کو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے دو گرہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

## روایات میں بحث اور غور و فکر میں رکاوٹ :

لیکن امامت کے بارہ میں وہ موضوع روایات جنہیں اپنی طرف سے تراش کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ہل بیت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور جس سے ان لوگوں کو یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت میں سے خلیفہ کو متعین کیا ہے۔ اور یہ کہ ان کی امامت کا عقیدہ رکھنے میں نجات ہے اور ان کی امامت کا اعتقاد نہ رکھنا ہلاکت ہے۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ کی کتنی ہی عبادت کیوں نہ کر لے۔ اور پھر اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے ہزاروں احادیث گھڑ لیں جن میں اس امام کی اتباع کرنے والوں کے لئے اجرِ عظیم کو ثابت کیا گیا ہے۔ اور ان لوگوں کو دردناک عذاب سے ڈرایا گیا ہے جو کہ اس سے پیچھے رہیں۔ پس لوگ اس عقیدہ کے پیچھے چلے پڑے؛ اس لئے کہ اس میں ترغیب و ترہیب کا کوڑا شامل کر لیا گیا تھا۔ اور انہوں نے اُس نرمی اور عاطفت کی چنگاری کو بھڑکایا جس نے اِس فکر کو شعلہ کر دیا، اور سوچ و بچار کا موقع بالکل نہیں دیا۔

اللہ عز و جل نے انسان کو عقل کی کرامت و بزرگی سے نوازا ہے، اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ عقل کو کلی ترک کر کے ان روایات کے پیچھے اندھا بن کر چلنا شروع کر دے جو انسان کو ایمان اور معرفت حق کی لذت سے محروم کر دیں، وہ حق جو کہ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے؛ اسے ترک کر کے اور ہل بیت پر جھوٹی روایات گھڑ کر ان کی اتباع کی جائے۔

محترم برادر شیعہ: اگر آپ نجات چاہتے ہیں تو پھر ان روایات سے دور رہ کر قرآن پڑھیں تاکہ آپ کی رسائی صحیح دین تک ہو سکے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے آج تک محفوظ چلا آ رہا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾

''اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے؛ یہ دانا اور خوبیوں والے اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی ہے''۔ [فصلت ۴۲]۔

یہ قرآن قیامت تک کے لئے لوگوں پر حجت ہے۔ اور ایسا ہرگز نہ کریں کہ خود کو جھوٹی روایات کے قید خانہ میں ڈال دیں۔

## شیعہ روایات میں اہل بیت پر جھوٹ:

اہل بیت نبوت کو ہمیشہ شکائیت رہی ہے کہ شیعہ ان پر جھوٹ بولتے ہیں۔ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اس انسان پر رحم کریں جو ہمیں لوگوں کے نزدیک محبوب بنائے، مبغوض نہ بنائے۔ ہاں اللہ کی قسم! اگر وہ ہمارے کلام کے محاسن کو دیکھ لیتے تو اس کی وجہ سے عزت والے ہوتے۔ اور کوئی ایک ان پر انگلی اٹھانے کی جرت نہ کر سکتا۔ لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک، ایک بات سنتا ہے تو اس میں دس اپنی طرف سے ملا دیتا ہے''❶۔

نیز آپ فرماتے ہیں:

''جو لوگ اس راہ پر چل نکلے ہیں یعنی آپ کے متبعین ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ یقیناً اتنا بڑا جھوٹ بولتے ہیں کہ اب شیطان کو بھی ان کے جھوٹ کی ضرورت ہے۔''❷

❶ [الکافی ۸/ ۲۲۹]۔ ❷ الکافی ۸/ ۲۵۴۔ بحار الانوار ۲۵/ ۲۹۶۔ رجال الکشی ص: ۲۹۷۔

نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ:

"لوگوں کو ہم پر جھوٹ کی عادت پڑ گئی ہے۔" ❶

اور فرمایا کہ:

"بیشک ہم اہل بیت سچے لوگ ہیں۔ لیکن ہم ان جھوٹوں سے خالی نہیں جو ہم پر جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کے ہم پر جھوٹ بولنے کی وجہ سے لوگوں کے ہاں ہمارے سچ کی بھی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔" ❷

اس سے ہم پر ان کثیر تعداد میں من گھڑت احادیث کا سبب واضح ہوتا ہے جو کہ قرآن کریم سے بھی متناقض ہیں۔ اور آپس میں بھی ٹکراو رکھتی ہیں۔ اور وہ روایات بھی جو کہ انتہائی کمزور اور بودے دین کا شکار ہیں۔ پھر کسی مسلمان کیلئے کیسے مناسب ہوسکتا ہے کہ وہ ان روایات کو قبول کر لے۔ جب کہ خود اہل بیت کہتے ہیں کہ:

"یہ لوگ ایک بات کے ساتھ دس باتیں اپنی طرف سے ملا دیتے ہیں اور اتنا جھوٹ بولتے ہیں کہ شیطان بھی ان کے جھوٹ کا محتاج اور ضرورت مند ہے۔"

بلا شک وشبہ یہ ان لوگوں کے متعلق انتہائی تلخ شکوہ ہے جو ان کی محبت کا دعوی کئے ہوئے ہیں، اور ان پر جھوٹ بولا کرتے ہیں۔

یہ وہ آئمہ ہیں جو تمہاری روایات کے مطابق خوف کے زمانے میں ہو گزرے ہیں۔

پس پھر ان لوگوں نے یہ روایات کب اور کہاں [اور کن سے] بیان کیں؟

پھر آئمہ کی موجودگی کے دور میں دوسرے لوگوں سے دین کیوں لیا جا رہا ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ روایات نئے امام کی موجودگی میں سابقہ امام سے نقل کی گئی ہیں جس سے اس نئے امام کا بے کار ہونا ثابت ہوتا ہے۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شیعہ روایات سے برأت:

معاذ اللہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے ہوں جیسا ان کے متعلق تصوران کی روایات میں پیش

---

❶ بحار الانوار ۲/۲٤٦.  ❷ رجال الکشی ص: ۱۰۸۔ بحار الانوار: ۲۵/ ۲۸۷.

کیا جاتا ہے۔ آپ بہادر اور قریش کے جوانمرد شہسواروں میں سے ایک تھے۔ بلحاظ نسب سے زیادہ قابل عزت اور تخلیقاً سب سے بزرگ اور بہادر تھے۔ اُس ذلت اور رسوائی پر آپ اور آپ کی اولاد میں سے کوئی ایک راضی نہیں رہ سکتا، وہ رسوائی جس کی تصویر شیعہ اثنا عشریہ کی روایات پیش کرتی ہیں۔ اور کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قبل از اسلام اور بعد از اسلام عزت وشرف سے بہرہ ور تھے۔ آپ پہلے فرد تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا اور نبی کریم ﷺ کی گود میں تربیت پائی۔ اور تیئس سال تک آپ کے زیرِ سایہ رہے۔ پھر ان کے متعلق یہ خیال بھی کیسے کیا جاسکتا ہے کہ آپ کے لئے امامت کی وصیت کی گئی۔ مگر آپ نے اپنے لئے تنازل کا یہ اعلان کر دیا، اس لئے کہ آپ گھبرا گئے یا بزدلی دکھائی۔

پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی اطاعت بھی کی اور ان کے ہاں کی قیدی خاتون سے شادی بھی کی اور اپنی اولاد کے نام بھی ان کے ناموں پر رکھے، اور ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے رہے۔ حالانکہ انہوں نے آپ سے امامت چھین لی تھی۔

## حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا تنازل:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے لختِ جگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس انسان کے حق میں خلافت سے تنازل اختیار کر لیا جس کے متعلق تمہارا عقیدہ ہے کہ وہ کافر ہے۔

اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ اس لئے کیا تا کہ امت کو دھوکہ دیکر اپنی جان بچا سکے، اور انہیں حیران و پریشان چھوڑ دے۔ سبحان اللہ یہ کتنا بڑا بہتان ہے۔

کیا اب وہ وقت نہیں آ گیا کہ اہل عقل کو اپنے موروثی عقائد پر نظر ثانی کرتے ہوئے انہیں قرآن پیش کرنا چاہئے تا کہ قرآنی ہدایت سے فیض یاب ہوں، اور ان بے شمار روایات سے جان چھڑا لیں جو افتراق امت کا سبب ہیں۔ ہم تو اس بات کی امید کرتے ہیں، اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر گراں نہیں۔ وہی سب کو راہِ راست پر چلانے والے ہیں۔

❀❀❀❀

تیسرا مسئلہ:

# کیا امامت نبوت کی طرح ہے؟

## امامیہ کے ہاں امامت نبوت کی طرح ہے۔

شیعہ اثنا عشریہ کا خیال ہے: ظاہری وحی کے علاوہ [باقی امور] امامت نبوت کی مانند ہے۔

محمد حسین آل کاشف الغطا؛ زمانہ حاضر کا ایک شیعہ مرجع کہتا ہے:

''امامت بھی نبوت کی طرح منصب الٰہی ہے: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نبوت و رسالت کے لئے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں چن لیتے ہیں اور پھر ان معجزات سے ان کی تائید کرتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نص کی طرح ہوتے ہیں۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ جسے چاہیں امامت کے لئے چن لیتے ہیں۔ اور اپنے نبی کو امام متعین کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ اسے اپنے بعد لوگوں کا امام بنایا جائے۔'' [1]

آل کاشف الغطا کی عبارت پر ایک سرسری ملاحظہ:

اللہ تعالیٰ امام متعین کرنے کا حکم اپنے نبی کو کیوں دیتے ہیں؟ خود قرآن میں اللہ تعالیٰ اس کا حکم کیوں نہیں دیتے؟ جبکہ تمہارا ایمان ہے کہ امامت بھی نبوت کی طرح ہے۔

اللہ عزوجل نے اپنے نبی کے لئے نصوص اتاری ہیں۔ تمہارا ایمان ہے کہ امام نبی کی طرح ہے۔ اگر امامت ایسے ہی ہوتی جیسے تمہارا ایمان ہے تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ ضرور نصوص نازل فرماتے۔

اور یہ اعتراف اس دعوی کو باطل ثابت کرتا ہے کہ: قرآن میں امامت کی نصوص موجود ہیں۔ جیسا کہ بہت سارے شیعہ علماء کا عقیدہ ہے۔ اور اس دعوی کو بھی رد کرتا ہے کہ

---

[1] اصل الشیعہ و اصولہا ص: ۵۰.

امامت بھی نبوت کی طرح ہے۔اگر واقعی ایسے ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس بارے میں آیات نازل فرماتے۔جیسا کہ نبوت کے بارے میں آیات نازل فرمائی ہیں۔

## اگر نبوت امامت کی طرح ہے تو اس کی نصرت، لازم آتی ہے۔

ہم سوال کرتے ہیں: جب امامت نبوت کی طرح ہے۔جیسا کہ شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب امامت، کی نصرت و مدد کریں۔ بلا شک وشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کی اپنی قوم پر نصرت فرمائی۔فرمان الٰہی ہے:

﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ [التوبہ: ٤]

''اگر تم پیغمبر ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ ان کے مددگار ہیں ؛ یاد کرو جب ان کو کافروں نے نکال دیا؛اس وقت دو ہی شخص تھے؛جب وہ دونوں غار میں تھے؛ اور پیغمبر ﷺ اپنے ساتھی سے فرمارہے تھے: غم نہ کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرمائی اوران کی ایسے لشکروں سے مدد کی جوتم کونظر نہیں آتے تھے اور کافروں کی بات کو پست کردیا۔ اور بات تو اللہ تعالیٰ ہی کی بلند ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والا ہے۔''

توکیا آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی نصرت کی تھی؟۔

اگر آپ کہیں گے کہ نصرت کی تھی۔

تو ہم پوچھتے ہیں کہ پھر نائب نبوت کی نصرت کیوں نہ کی؟ جب کہ تمہارے عقیدہ میں ان دونوں کا حکم ایک ہے۔

اور اگر آپ کہیں کہ اپنے نبی کی نصرت نہیں کی تھی۔

تو ہم کہتے ہیں کہ: حالات و واقعات تمہاری اس بات کو جھٹلاتے ہیں۔

پھر اگر آپ کہیں گے کہ نصرت کی تھی۔

تو ہم سوال کرتے ہیں کہ کن کے ذریعہ؟

اگر تم کہو گے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ذریعہ۔

تو ہم پوچھتے ہیں: نصرت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کون تھے؟

اگر تم کہو: وہ چار یا سات اشخاص تھے۔

تو ہم کہتے ہیں: عقلاً یہ درست نہیں۔ سات افراد کی ہمراہی میں نصرت کیسے ممکن ہے جبکہ مکہ میں آپ کے ساتھ سینکڑوں افراد تھے۔ مگر آپ کو نصرت نہیں ملی۔

اگر تم کہو گے کہ: یہ لوگ زیادہ تھے۔

تو ہم کہتے ہیں: پھر ان کے نام لو۔

اگر تم کہو کہ: ان میں بہت سارے غیر معروف تھے۔

تو ہم پوچھتے ہیں تمہیں ان کے بارے میں کیسے پتہ چلا؟۔

اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار سے کی تھی جیسا کہ تمہاری روایات کہتی ہیں۔

تو ہم کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار ان نصرت کرنے والوں میں سے ایک تھی، اکیلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسلام کی نصرت نہیں ہوئی۔ اگر صرف اکیلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار سے اسلام کی نصرت ہوئی ہوتی تو آپ کی تلوار کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی نصرت حاصل ہوتی۔ حالانکہ اس وقت آپ کو فتح و نصرت کی بہت زیادہ ضرورت تھی، پھر کیا ہو گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر نصرت حاصل نہ ہوئی۔ جب کہ آپ کی تلوار وہی تلوار تھی۔

پھر ہم پوچھتے ہیں: کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی نصرت ان کی زندگی میں کی تھی یا موت کے بعد بھی؟



اگر تم کہو کہ یہ صرف زندگی میں مدد کی تھی۔

تو ہم کہتے ہیں: اس نصرت کا کیا فائدہ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد ضائع ہو گئی

،اور کیا آپ کی نصرت سے مقصود آپ ﷺ کے دین کی نصرت تھی یا شخصیت کی نصرت؟

پھر ہم پوچھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ دین کیوں نازل فرمایا؟

اگر آپ کہیں: تا کہ اس کی اتباع کریں اور اس سے قربت الٰہی حاصل کریں۔

تو ہم کہتے ہیں: آپ کے مذہب کے مطابق ایسا بہت تھوڑا سا واقع ہوا ہے۔

تو پھر اس دین کے نازل ہونے کا فائدہ کہاں گیا؟

کیونکہ تمہارے عقیدہ کے مطابق نبی کریم ﷺ کے بعد امام دین کی حفاظت اور معاشرہ میں اس کے نفاذ کا ذمہ دار ہے۔ اور بعد کے آئمہ جنہیں تم امام گمان کرتے ہو، وہ تمہارے عقیدہ کے مطابق اس دین کو نافذ نہ کر سکے، حتی کہ ان کی نسل ختم ہوگئی، یا پھر راہ فرار اختیار کرلی۔ یہ تمہارے مذہب کے مطابق صحیح عقیدہ ہے۔

## دین کے ساتھ فرار:

اگر تم کہو کہ: دین کا غلبہ مہدی غائب کے ہاتھ پر آخری زمانے میں ہوگا۔

تو ہم پوچھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا جو دین آسمان سے نازل ہوا تھا، وہ سب سے بڑا دین؛

سب سے اعظم نبی پر؛

سب سے اعظم کتاب کی صورت میں؛

سب سے عظیم الشان جگہ پر نازل ہوا۔

وہ سرداب میں مہدی کے پاس محفوظ نہیں کہ امام کا خروج ہو۔ اس وقت تک بشریت ہزار برس سے زائد عرصہ سے اس قرآن سے محروم رہے، اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ اس لئے کہ اس کے لئے مناسب شخصیات دستیاب نہیں ہوئیں۔ یا امام دین لے کر بھاگ گیا؟

یا پھر امام مہدی کے لیے اس دین کا اعلان ونفاذ کیسے ممکن ہوگا؟

اگر آپ کہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو انصار و مددگار مہیا کرے گا۔

تو ہم پوچھتے ہیں کہ: کیا یہ امام اللہ کے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ بلکہ نبی کریم ﷺ سے بھی زیادہ عزت والا ہے کہ انہیں وہ مددگار نہ دیے جو دین کی نصرت کریں۔ بلکہ ان کی مدد

وقتی طور پر ظاہر کی گئی اور پھر اس فضیلت کو اس مولود کے لئے ذخیرہ کر لیا گیا۔ جو ان کے عقیدہ کے مطابق ایک ہزار سال سے چھپا ہوا ہے۔

اگر مدد و نصرت کرنے والا اللہ تعالیٰ تھا تو بشریت کے عظیم انسان اپنے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی مدد کیوں نہ کی؟ اور آپ کے بعد امام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کی۔ جیسا کہ تمہارا عقیدہ ہے۔ اور پھر اس سلسلہ میں تم لوگوں نے ہزاروں روایات نقل کی ہیں۔ جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ظاہری نبوت کے علاوہ تمام خصائص و فضائل میں شریک بنایا ہے۔

اگر آپ کے اتنے فضائل ہوتے تو کیا آپ اس نصرت الٰہی کے مستحق نہ تھے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور اس مدد سے مومن کو عزت و غلبہ ملتا اور کافر ذلیل و رسوا ہوتے۔

کیا وجہ ہے کہ آپ نے کمزوری اور مظلومیت کی زندگی گزاری جیسا کہ تمہاری روایات کہتی ہیں۔ جب کہ ان چیزوں سے یقیناً بری تھے۔

پھر اس امامت کا کیا فائدہ جس سے مقصود حاصل نہ ہو سکتا ہو؟۔

## دعوی امامت کے متناقض مواقف:

پھر ہم یہ سوال کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام تھے اور آپ کو اس کا علم تھا اور امامت دین کے اصولوں میں سے ایک اصول تھی جس کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا اور اس کا اعتقاد نہ رکھنے والا کافر ہوتا ہے۔ مجلسی نے اپنے شیخ؛ شیخ مفید سے نقل کیا ہے وہ کہتا ہے:

> "امامیہ کا اس بات پر اجماع ہے کسی ایک امام کی امامت کا منکر، اور جس کی اطاعت اللہ نے فرض کی ہے، اسے نہ ماننے والا کافر ہے جو کہ ہمیشہ کیلئے جہنم کا مستحق ہے۔" [1]

طوسی نے کہا ہے:

[1] المسائل للمفید نقل ذلك عنه المجلسی فی البحار ۸/ ۳۶٦.

"امامت کا انکار کرنا اور اسے نہ ماننا ایسے ہی ہے جیسے نبوت کا انکار کرنا اور اسے نہ ماننا۔" [1]

تو پھر آپ کو کیا ہو گیا تھا کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساری زندگی گزاردی اور اللہ کی زمین میں کہیں ہجرت نہیں کی تاکہ کسی مددگار کو تلاش کرتے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تھی۔ جب مکہ میں آپ کی قوم نے آپ کی مددنہ کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔

- پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیسے خلفا ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی بیعت کر لی جب کہ انہوں نے صرف آپ کی خدمت کا ہی انکار نہیں کیا بلکہ اس پر تعاقب بھی کیا۔ اور یہ تمہارے شیخ مفید کے مطابق کافر ہیں۔
- پھر یہ کہ آپ ان کے ساتھ اور ان کے پیچھے کیسے اتنا عرصہ نمازیں پڑھتے رہے جب کہ وہ (تمہارے عقیدہ کے مطابق) کافر تھے۔
- پھر آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لائے ہوئے بنو حنیفہ کی قیدی خواتین میں سے ایک سے شادی کیسے کر لی؟ جب کہ کافر حاکم کے احکام نافذ نہیں کیے جاتے۔
- اس عورت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر محمد نامی بیٹا بھی پیدا ہوا۔
- پھر آپ کو کیا ہو گیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنی بیٹی ام کلثوم کی شادی کر دی۔ جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمہارے ایمان کے مطابق کافر تھے۔ کوئی عام مسلمان یا اللہ کی طرف سے منصوب امام اس بات پر راضی ہو سکتا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی کسی کافر سے اپنی مرضی کے یا بغیر مرضی کے کر دے اور وہ اپنی بیٹی کی مددنہ کرے۔

## اولاد علی رضی اللہ عنہ کے نام خلفا کے ناموں پر:

- پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی اولاد کے نام ان حضرات کے ناموں پر رکھے۔ شیخ مفید اور اس کے عقیدہ پر کاربند لوگوں کے نزدیک

[1] الاقتصاد فیما یتعلق بالاعتقاد ۳۵۸.

خلفا ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کافر تھے۔ انہوں نے خلافت غصب کی، اور آپ کو کی گئی وصیتوں کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بن گئے۔ یہ تمہارا عقیدہ ہے۔

مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کا نام ابوبکر، عمر و عثمان رضی اللہ عنہم رکھا تھا۔

آپ کو کس نے اس بات پر مجبور کیا تھا؟۔

یہاں پر ہم صرف اس قدر ذکر کرنے میں کفایت سمجھتے ہیں کہ آپ کی اولاد میں سے کس کس کے نام ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کی بیٹی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نام پر رکھے گئے۔ یہ مواد آپ کے مذہب کی اہم ترین کتابوں سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ آپ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خلافت چھین لی گئی تھی۔

شیعہ اثنا عشری عالم: شیخ مفید نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کے نام ذکر کرتے ہوئے ان میں ابوبکر کا نام بھی لیا ہے۔ [اس نے باب قائم کیا ہے اور] وہ کہتا ہے:

(( ذكر أولاد أمير المومنين عليه السلام و عددهم و أسمائهم و مختصر من أخبارهم . ))

''حضرت امیر المؤمنین کی اولاد کا ذکر اور ان کی تعداد اور ان کے اسماء اور مختصر احوال۔''

محمد الاصغر، کنیت ابوبکر، اور عبیداللہ جو کہ اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے۔ اس کی ماں لیلی بنت مسعود دارمیہ تھیں؛؛۔ ❶

یعقوبی شیعہ مؤرخ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتا ہے:

''آپ کی نرینہ اولاد کی تعداد چودہ تھی۔ عبیداللہ اور ابوبکر انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ ان کی ماں لیلی بنت مسعود حنظلیہ؛ بنو تمیم سے تھیں۔'' ❷

اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں عنوان قائم کیا ہے:

((ذكر خير حسين بن علي رضي الله عنه ، بن ابی طالب و مقتله و من

❶ الارشاد ص: ۱۸۶ . ❷ تاریخ یعقوبی: ۲/ ۲۱۳ .

قتل معه من أهله .))

’’ان میں ابو بکر بھی تھے۔ان کی ماں لیلی بنت مسعود تھی۔ابو جعفر نے ذکر کیا ہے کہ اس کو قتل کرنے والا ہمدان کا ایک آدمی تھا۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ آپ کو پیدل دستہ میں مقتول پایا گیا۔آپ کے قاتل کا علم نہیں ہو سکا۔‘‘ ❶

کیا یہ آپس میں سچی محبت اور بھائی چارے اور جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عزت وتوقیر اور احترام کی دلیل نہیں ہے؟۔

پھر یہ آپ کے بڑے لخت جگر پسر فاطمہ، نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ دوسرے امام معصوم۔( تمہارے عقیدہ کے مطابق )۔اپنے ایک بیٹے کا نام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نام پر رکھتے ہیں۔جیسے یعقوبی نے کہا ہے کہ:

’’حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نرینہ اولاد کل آٹھ تھی۔ان کی ماں کا نام خولہ تھا۔ابو بکر اور عبدالرحمٰن یہ علیحدہ ماں کی اولاد تھے۔ایسے ہی طلحہ اور عبداللہ بھی۔‘‘ ❷

الاصفہانی نے کہا ہے:

’’ابو بکر بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ ان افراد میں سے تھے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔انہیں عقبہ غنوی نے قتل کیا۔‘‘ ❸

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ایک بیٹے کا نام ابو بکر رکھا تھا۔جیسا کہ شیعہ مؤرخ مسعودی نے ذکر کیا ہے۔وہ التنبیہ والاشراف میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں شہید ہونے والوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

’’کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے تین بیٹے شہید ہوئے، علی اکبر، عبداللہ الصبی اور ابو بکر۔یہ تینوں حضرت حسین کے بیٹے تھے۔‘‘ ❹

---

❶ مقاتل الطالبین لابی الفرج الاصفہانی ۱۴۲۔ جلاء العیون ۵۸۲.

❷ تاریخ یعقوبی ۲/۲۲۸۔ منتہی الآمال ۱/۲۴۰.

❸ مقاتل الطالبین ص۸۷. ❹ التنبیہ والاشراف ۲۶۳.

''اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ زین العابدین بن حسن کی کنیت ابو بکر تھی۔'' ❶

مزید برآں حسن بن الحسن بن علی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب کے پوتے نے اپنے ایک بیٹے کا نام ابو بکر رکھا تھا۔ جیسا کہ اصفہانی نے محمد بن حمزہ علوی سے نقل کیا ہے، جو لوگ حضرت ابراہیم بن الحسن بن الحسن بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے ساتھ ان میں ابو بکر بن الحسن بن الحسن بھی تھے۔ ایسے ہی شیعہ کے ہاں ساتویں امام موسیٰ بن جعفر الکاظم نے اپنے ایک بیٹے کا نام ابو بکر رکھا تھا۔ جب کہ اصفہانی نے کہا ہے:

''آپ کا بیٹا علی؛ شیعہ کا آٹھواں امام۔ اس کی کنیت ابو بکر تھی۔''

اور عیسیٰ بن مہران ابو صلت ہروی سے روایت کیا ہے وہ کہتا ہے:

''ایک دن مامون نے مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا میں نے کہا: اس میں ہمارے ابو بکر بھی ہیں۔''

عیسیٰ بن مہران کہتے ہیں:

''میں نے ابی صلت سے پوچھا تمہارے ابو بکر کون ہیں؟ تو اس نے کہا علی بن موسیٰ الرضا، یہ ان کی کنیت تھی اور آپ کی ماں ام ولد تھی۔'' ❷

جہاں تک عائشہ نام کا تعلق ہے تو ساتویں امام موسیٰ کاظم نے ایک بیٹی کا نام صدیقہ بنت صدیق کے نام پر عائشہ رکھا گیا تھا۔ جیسا کہ مفید نے موسیٰ بن جعفر الصادق کی اولاد کی تعداد اور ان کے احوال میں بیان کیا ہے وہ کہتا ہے:

''ابو الحسن موسیٰ علیہ السلام کے سینتیس (۳۷) بیٹے تھے ان میں سے علی بن موسیٰ الرضا، فاطمہ، اور عائشہ اور ام سلمی بھی تھیں۔'' ❸

''اور ان کے بیٹے علی بن حسین نے بھی اپنی ایک بیٹی کا نام عائشہ رکھا تھا۔'' ❹

---

❶ کشف الغمة: ۲/ ٤۔ ❷ مقاتل الطالبین ص: ۵٦۱۔ ۵٦۲۔

❸ الارشاد ۳۰۳؛ ۳۰۲ ۔ الفضول المهم ۲٤۲۔ کشف الغمه ۲/ ۲۳۷۔

❹ کشف الغمه ۲/ ۹۰۔

ایسے ہی ان کے نزدیک دسویں امام علی بن محمد الھادی ابو الحسن نے بھی اپنی ایک بیٹی کا نام عائشہ رکھا تھا۔ شیخ مفید کہتا ہے:

''ابو الحسن فوت ہوئے تو رجب کا مہینہ تھا ۲۵۴ ہجری تھی۔ آپ کو اپنے گھر (سری من رای) میں دفن کیا گیا۔ آپ نے اپنے پیچھے بیٹا ابو محمد حسن اور بیٹی عائشہ چھوڑی۔'' [1]

یہ شیعہ مراجع کی کتب ہیں جو اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ آل بیت کے دلوں میں آل صدیق کے لئے کوئی میل نہ تھی، اسی وجہ سے انہوں نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے نام آپ کے اور آپ کی بیٹی کے نام پر رکھے۔

اگر آپ نے خلافت چھینی ہوتی تو ان کے جی انہیں اجازت نہ دیتے کہ ان کی زبانوں پر ہر وقت ان کے نام آئیں، بلکہ وہ اپنی بیٹیوں اور بیٹوں کے نام ان کے ناموں پر رکھیں۔ بلکہ انہوں نے اپنے گھروں میں اپنی اولادوں کے نام ان کے نام پر رکھے ہیں جو ان کو سب سے محبوب تھے۔

یہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ ان لوگوں کے متعلق تمہارے عقیدہ کی روایات من گھڑت ہیں۔ ورنہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے نام اپنے دشمنوں کے ناموں پر رکھنے کی وجہ سے ان پر نفاق کی تہمت لگانا پڑے گی۔ جیسا کہ تمہارا عقیدہ ہے۔ اور یہ لوگ عند اللہ نفاق سے بری ہیں۔

اگر یہ تسلیم کرلیں کہ کوئی شیعہ جرأت کر کے اس کی تفسیر تقیہ سے کرے تو یہ ان شریف النفس اور نیکوکار لوگوں پر سب سے بڑا طعنہ ہوگا۔ اس لئے کہ ایسی حرکت کرنا ان کے شایان شان نہیں ہے۔ یہ لوگ دختر پیغمبر کی اولاد ہیں اور انہوں نے اسلامی آغوش میں تربیت پائی ہیتو پھر ایسی باتیں کیونکر کر سکتے ہیں۔

## حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور امامت سے تنازل:

پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کیا ہو گیا تھا کہ انہوں نے امامت سے تنازل اختیار کیا۔

[1] كشف الغمة ٣٣٤ فصول المهمة ٢٨٣.

حالانکہ تمہارے عقیدہ کے مطابق اس کے بغیر دین قائم نہیں ہو سکتا۔ اور آپ اس بات پر راضی ہو گئے کہ ان کی زندگی میں اور آپ کی موافقت سے کفر کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ اور آپ کی جان محفوظ رہے جب کہ آپ کے ساتھ چالیس ہزار سے زیادہ کا بڑا لشکر موجود تھا؟

❀ جب تمہارے عقیدہ کے مطابق آپ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام تھے، تو کیا آپ کے لئے یہ ممکن تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی تفویض کردہ ذمہ داری سے دستبرداری اختیار کر لیں تاکہ آپ اپنی جان بچالیں۔ بھلے لوگ کفر میں مبتلا رہیں۔

❀ جب آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اور آپ کے حق میں تنازل اختیار کر لیا تو تمام لوگ اگر آپ کی امامت کا اعتقاد رکھتے تھے۔ تو ان کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ اس تنازل سے ان کے ایمان پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر یہ تنازل مؤثر ہوتا تو حضرت حسن نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس بات پر راضی نہ ہوتے خصوصاً جب کہ آپ امام متعین من اللہ تھے۔ اور تمہارے عقیدہ کے مطابق امام سہو، اور نسیان و خطا سے معصوم ہوتا ہے۔ اور وہ امت کے کفر کا سبب کیسے بن سکتے ہیں۔ تاکہ آپ کئی برس تک زندہ رہیں اور دین کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول کو ضائع کر دیں۔

❀ کیا مسلمان۔ بلکہ امام کے لئے اس دین سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز ہو سکتی ہے؟

❀ یہ مسٹر خمینی جی ہیں جنہوں نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا تاکہ اپنی حکومت قائم کر سکیں۔ کیا خمینی امام حسن رضی اللہ عنہ سے زیادہ بہادر تھا؟

❀ پھر یہ سپاہی جو کہ دنیا بھر میں فوج میں خدمات سر انجام دیتے ہیں اور وہ موت سے آنکھیں چار کئے رہتے ہیں۔ اور وہ اپنی حکومتوں کی مدد کے لئے آگے ہی بڑھتے رہتے ہیں اور اکثر و بیشتر ان کی حکومتیں کافر ہوتی ہیں، تو کیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی قربانی اور اپنی امامت پر قناعت ان لوگوں سے بھی کم تھی؟

کیا عقل و دانش کی بیداری کا وقت ابھی تک نہیں آیا؟

❀❀❀❀

چوتھا مسئلہ:

# عصمت

## آئمہ اثنا عشریہ اور عصمت ❶:

شیعہ اثنا عشریہ کا ایمان ہے کہ جن لوگوں کے متعلق وہ امامت کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ گناہ، خطا، سہو اور نسیان سے معصوم ہوتے ہیں۔ ایک معاصر شیعہ عالم محمد رضا المظفر کہتا ہے:

''ہمارا عقیدہ ہے کہ امام نبی کی طرح ہوتا ہے۔ اور واجب یہ ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی طور بچپن سے لیکر موت تک، عمداً و سہواً تمام رذائل اور فواحش سے پاک اور محفوظ ہو۔ اور یہ بھی واجب ہے کہ وہ سہو، خطا اور نسیان سے معصوم ہو۔'' ❷

یہ دعوی دو باتوں میں سے ایک ہے: یا تو یہ دعوی سچا ہوگا یا پھر جھوٹا ہوگا۔

اس کی معلومات صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہیں جب ان لوگوں کے حالات زندگی معلوم کر لئے جائیں جن کے بارے میں عصمت کا عقیدہ رکھا جاتا ہے۔

اس غرض کیلئے ہم بحث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شروع کرتے ہیں؛ اور کہتے ہیں کہ:

---

❶ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے یا اختلافی؟ اس کا حل خود شیعہ علماء کے اقوال سے پیش کرتے ہیں: شیعہ عالم مجلسی لکھتا ہے: ''جان لو! شیعہ امامیہ کا اتفاق ہے کہ ان کے ائمہ ہر چھوٹے بڑے گناہ سے محفوظ ہوتے ہیں۔ ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ نہ عمداً نہ بھول کر، نہ کسی تاویل میں غلطی سے۔ اور نہ ان کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھلانے سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے۔'' [بحار الأنوار: ۲۵/ ۲۱۱۔ح: ۲۴ (باب عصمتهم ولزوم وعصمة الامام ...... " دیکھیں: اوائل المقالات: ٦٥۔ مرآة العقول: ٤/ ٣٥٢۔] شیعہ علامہ مجلسی کہتا ہے: ''بیشک ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کہ انبیاء اور ائمہ صلوات اللہ علیہم ہر چھوٹے بڑے، عمداً اور سہواً گناہ سے معصوم ہیں، نبوت اور امامت ملنے سے قبل بھی اور بعد میں بھی۔ بلکہ وہ اپنی ولادت سے لے کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے تک معصوم ہیں۔ اس مسئلے میں صرف صدوق محمد بن بابویہ اور اس کے استاد ابن الولید قدس اللہ روحہما کا اختلاف ہے۔ انہوں نے یہ جائز قرار دیا ہے کہ اللہ کسی نبی یا امام کو کوئی بات بھلا دے۔ وہ سہو جو شیطان کی وجہ سے ہوتا ہے اس کو جائز قرار نہیں دیا۔ اور شائد کہ ان کا اختلاف اجماع کے لئے مضر نہیں ہے کیونکہ دونوں ہی معروف حسب ونسب والے شیعہ ہیں۔'' [بحار الأنوار: ١٧/ ١٠٨ (باب سهوه و نومه عن الصلاة)]

❷ عقائد الامامیہ: ١٠٤.

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دس مواقف امامیہ کے دعویٰ کے تناقض میں :

جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو صحابہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اور امام بنایا ۔اس وقت صحابہ کرام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے آپ نے کیا کیا؟

آپ نے یہ کیا کہ:

۱۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

۲۔ ساری زندگی ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔

۳۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی قیدی خاتون سے شادی کی ۔شیعہ کے نزدیک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ہر کام باطل تھا۔تو پھر مرتدین سے آپ کی جنگیں بھی باطل ہوئیں۔ان جنگوں میں جو قیدی ہاتھ آئے وہ غیر شرعی ہوئے؛انہیں اپنا لینا جائز نہیں تھا۔مگر اس کے باوجود بنی حنیفہ کی قیدی خاتون حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لی اور اس ان کا بیٹا محمد پیدا ہوا جسے محمد بن حنیفہ کہا جاتا ہے۔

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کا اقرار کیا۔

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور ساری زندگی ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔

۶۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لشکر کے ساتھ بلاد فارس جانے سے روکا؛ جیسا نہج البلاغہ میں ہے۔

۷۔ اپنے تین بیٹوں کے نام خلفائے ثلاثہ کے نام پر رکھے۔ابو بکر،عمر،عثمان رضی اللہ عنہم۔یہ اہل سنت اور شیعہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

۸۔ اپنی بیٹی ام کلثوم کی شادی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کی؛ جیسا کہ اہل تشیع اور اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہے۔

۹۔ آپ نے اس شوریٰ کو قبول کیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے بنائی تھی۔

۱۰۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور ساری زندگی ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔

یہ دس اقوال اور اعمال ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود کیے یا ارشاد فرمائے۔

اگر آپ معصوم تھے اور یہ تمام باتیں درست ہیں تو امامت کا دعویٰ باطل ہوا۔کیونکہ معصوم نہ

غلط کام کرتا ہے نہ غلط بات کہتا ہے اور نہ ہی کفریہ بات کہتا ہے یا اسے برقرار رکھتا ہے۔

اگر ایسا کرنا خطا تھا تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ امام نہ ہوئے۔ اس لئے کہ تمہارے نزدیک امام معصوم من الخطا ہوتا ہے۔ اور شیعہ کے نزدیک امامت کا انکار کرنا یا کسی نا اہل کی امامت کا اقرار کرنا کفر ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ۔ معاذ اللہ۔ اپنے ان اعمال سے اس کا اقرار کر رہے ہیں۔ [پھر ان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟]

ان واقعات سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھتے تھے کہ وہ منصوب من اللہ امام ہیں۔ اور یہ کہ بیشک خلافت کا معاملہ ان کے درمیان مشورہ سے ہوتا ہے۔ یہ ایک طبعی بات ہے۔ معاذ اللہ کہ آپ اللہ کی طرف سے متعین امام ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں اور پھر اس کا اعلان کرنے سے عاجز آجائیں اور مخالفین کا اقرار کر کے ان کی بیعت کر لیں۔ اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں اور اپنے بیٹوں کے نام ان کے ناموں پر رکھیں اور بیس سال سے زائد عرصہ تک یہ تماشہ دیکھتے اور کفر کا مشاہدہ کرتے رہیں۔ جیسا کہ امامیہ کا ایمان اور عقیدہ ہے۔ اور اپنی جان بچانے کے لئے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہیں۔ یہ تو کسی ادنی آدمی کے ساتھ بھی مناسب نہیں۔ تو پھر امام منصوب من اللہ [یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ امام] کے ساتھ کیسے مناسب ہو سکتا ہے؟

جس کے تعین کا مقصد ہی دین کی اقامت اور اللہ کی خلافت اور نیابت ہو۔ جیسا کہ تم لوگوں کا عقیدہ ہے۔

آپ بہترین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور شہسوارانِ اسلام میں ایک تھے۔ جنہوں نے اسلام کی خاطر خونریز جنگیں لڑیں۔ حتی کہ اسلام کا پرچم بلند ہوا۔ اور لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہوئے۔ پھر آپ دیکھتے رہے اور دین اسلام کی دھجیاں بکھیر دی گئیں۔ جیسا کہ تم لوگوں کا عقیدہ ہے۔ بلکہ آپ دینِ اسلام کو روندنے میں ان لوگوں کا ساتھ دیتے رہے۔ کیونکہ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار نہیں کیا تھا۔

## حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور خلافت سے تنازل:

پھر حسن بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب امام دوم نے خلافت سے تنازل اختیار کرتے ہوئے

اسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ حالانکہ آپ کی قیادت میں دسیوں ہزار جاں نثار والے لڑاکے [ماہر فوجی دستے] موجود تھے۔ اگر آپ معصوم تھے اور امامت معاویہ کے سپرد کر دی اور امامت پر ایک کافر شخص (تمہارے عقیدہ کے مطابق) کی حکمرانی پر راضی ہو گئے تو یہ فعل عصمت اور امامت کے خلاف ہے۔ اور اگر معصوم نہ تھے تو پھر امام بھی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ تمہارے نزدیک امام کے لئے عصمت شرط ہے۔

## آٹھواں امام اور مامون کی ولایت کی قبولیت:

تمہارے نزدیک تمہارے آٹھویں امام علی بن موسیٰ الرضا رحمہ اللہ اس بات پر راضی ہو جاتے ہیں کہ وہ مامون کے ولی عہد بن جائیں۔

امامت غصب کرنے والے کی نیابت قبول کرنا اس کی خلافت کی مشروعیت کا اعتراف ہے۔ امامت غصب کرنے والے کی مشروعیت کا اعتراف کرنا تمہارے نزدیک کفر ہے۔ اگر آپ امام معصوم تھے؛ تو آپ کا فعل مأمون کی خلافت کی صحت پر دلیل ہے؛ [جب کہ تمہارے قواعد کی رو سے] یہ عمل عقیدہ امامت کے خلاف ہے۔

اگر آپ امام معصوم نہیں تھے تو پھر تمہارے مذہب کے مطابق امام نہ ہوئے۔ کیونکہ تمہارے مذہب میں امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

جب تمہارے أئمہ میں سے کسی ایک کی امامت میں خلل واقع ہوتا ہے تو پورا نظریہ امامت ہی ختم ہو جاتا ہے۔

یہ صرف چند ایک اشارے تھے۔ وگرنہ اس مذہب میں تناقض پر اتنے دلائل ہیں کہ ان کا شمار کرنا ناممکن ہے۔

عاقل کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے آپ کو ایسے لوگوں کے سپرد کر دے جو اسے اتباع حق سے محروم کر دیں۔ یہ زندگانی بہت مختصر ہے؛ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا اور حساب دینا بڑا مشکل ہے۔

اس پر سزا و جزا کا مسئلہ بھی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اتباع حق کی توفیق دے، اور باطل سے محفوظ و مامون رکھے؛ آمین۔ یارب العالمین

پانچواں مسئلہ:

# تقیہ

اہل بیت اطہار پر جھوٹ گھڑنے والوں نے اپنی دروغ گوئی کو مذہبی پشت پناہی دینے کے لیے تقیہ کا عجیب وغریب عقیدہ گھڑ کر ایجاد کرلیا۔ درحقیقت یہ عقیدہ نہ صرف امامت بلکہ پورے دین کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے؛ یہ عقیدہ درحقیقت عمداً جھوٹ بولنے کا دوسرا نام ہے [1]۔

---

[1] تقیہ کا عملی کردار ابھی تک متعدد معاملات میں اپنا خطرناک اثر دکھا رہا ہے۔ بطور مثال:

(۱) امت مسلمہ میں تفرقہ بازی کو فروغ دینے والے شیعوں اور زندیقوں نے اسی تقیہ کے عقیدہ سے فائدہ اٹھایا ہے اور مسلمانوں میں اختلافات کو فروغ دینے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صحیح احادیث وآثار کو رد کردیا ہے جو ان کے ائمہ سے مروی ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے ائمہ نے یہ آثار واحادیث اہل سنت کی موجودگی کی وجہ سے تقیہ کرتے ہوئے بیان کی ہیں۔ مثلاً وہ تمام احادیث جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان اور مدح میں وارد ہیں وہ انہوں نے رد کردی ہیں کہ یہ ہمارے ائمہ نے تقیہ کرتے ہوئے بیان کی تھیں... اسی طرح نبی کریم ﷺ کا اپنی دو بیٹیوں کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شادی کرنا اور ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ سے اپنی بیٹی کی شادی کرنا بھی تقیہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کرنا بھی تقیہ تھا......'' (مرأة العقول : ۲۰/۴۵۔ح: ۲؛ باب : تزويج أم كلثوم)

(۲) شیعہ علماء نے اپنی روایات اور احادیث میں تضاد اور تناقض سے چھٹکارا پانے کے لیے تقیہ کا سہارا لیا ہے۔ کیونکہ ان کی احادیث میں ظاہری تضاد سب سے مضبوط دلیل تھی کہ یہ روایات غیر اللہ کی طرف سے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (النساء: ۸۲) ''اور اگر وہ (قرآن) اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔'' شیعہ عالم یوسف البحرانی نے یہ حقیقت بیان کردی ہے کہ شیعہ اپنے ائمہ کی روایات میں شدید اختلاف اور تضاد کی وجہ سے ازحد پریشان اور مضطرب ہیں۔ انہیں سمجھ نہیں آرہی کہ وہ کون سا قول اختیار کریں اور کس قول پر توقف کریں یا وہ اپنے پیروکاروں کو اختیار دے دیں کہ وہ جسے چاہیں اختیار کرلیں یا وہ کیا کریں؟ ان باہم متعارض اور مخالف روایات کا کیا حل نکالیں؟ بالآخر تقیہ سے حل نکل آیا۔ جیسا کہ البحرانی کہتا ہے: اَحکام کی علت میں شک وشبہ اور تردد ضرور ہے کیونکہ دلائل میں کثرت سے متعارض اور اختلاف پایا جاتا ہے نیز ائمہ کی امارات باہم مختلف ہیں۔'' (الدرة النجفية : ٦١).

اس لیے کہ یہ روایات گھڑنے والے ایک جگہ پر جمع نہیں ہو سکتے تھے؛ اور نہ ہی ان کا زمانہ ایک تھا؛ اور نہ ہی رائے میں وحدت تھی۔ پس کوئی ایک امام کے نام پر ایک روایت گھڑ کر پیش کرتا تو اس کے مقابلہ میں دوسرے کی دوسری اس سے متناقض روائیت سامنے آتی۔ پس ان روایات میں دروغ گوئی کو تقیہ کے نام سے جواز فراہم کیا گیا۔ ❶

## شرعی تقیہ:

شیعہ کے ہاں مروج تقیہ وہ شرعی تقیہ نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خوف کی حالت میں مباح ٹھہرایا ہے؛ -پھر یہ تقیہ واجب بھی نہیں-؛ جب کہ شیعہ کے ہاں تقیہ کرنا واجب ہے۔ اور ان کے ہاں صاف واضح اور صریح روایات کے مطابق تقیہ کو ترک کرنا دین کو ترک کرنا ہے۔ جب کہ شرعی تقیہ میں کبھی انسان پر ایسے حالات تو آتے ہیں کہ وہ مر تو سکتا مگر تقیہ نہیں کرسکتا۔ یہ ایک مباح عمل ہے۔ واجب نہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۝﴾ [النحل: ١٠٦]

''جو شخص ایمان کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے، سوائے اس کے اُسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو؛ اور لیکن جو کفر کے لیے سینہ کھول دے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

امام طبری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے:

---

❶ شیعہ کے عالم مفید کا کہنا ہے کہ تقیہ، حق چھپانے کو کہتے ہیں اور اپنے عقیدے کو پوشیدہ رکھنا تقیہ ہے۔ مخالفین سے اپنا عقیدہ چھپانا اور ان کی مخالفت کو ترک کرنا جو کہ کسی دینی یا دنیوی نقصان کا باعث ہو، تقیہ کہلاتا ہے۔ [تصحیح إعتقادات الإمامیة ص ١٣٧۔ شرح عقائد الصدق: ٢١٦۔ ملحق بأوائل المقالات] محمد جواد مغنیہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ اپنی جان یا مال کے نقصان سے بچنے کے لیے یا اپنی عزت کی حفاظت کے لیے اپنے عقیدے کے برخلاف کوئی بات کہنا یا عمل کرنا تقیہ ہے۔ [الشیعہ فی المیزان: ٤٨ (التقیه والبداء والرجعة ......'' ]

﴿.... اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ.....﴾[النحل: ۱۰۶]

’’مگر جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو؛ لیکن......‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو کوئی ایمان لانے کے بعد کفر کرے؛ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور دردناک عذاب ہے۔ سوائے اس کے کہ اگر کسی کو مجبور کیا گیا ہو؛ اور وہ کلمہ کفر زبان پر لے آیا؛ اور اس کے دل میں ایمان موجود ہو؛ مگر اس نے دشمن سے نجات پانے کے لیے ایسے کیا؛ تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دل کے عقیدہ پر گرفت کرتے ہیں۔‘‘ [الطبری؛ اس آیت کی تفسیر میں]

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ [آل عمران ۲۸]

’’ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بچنا اور اللہ تمھیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔‘‘

طبری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں روایت کیا ہے:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

’’ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بنائیں......‘‘

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کفار کے ساتھ نرمی سے پیش آنے؛ یا اہل ایمان کو چھوڑ کر ان سے دوستی لگانے سے منع کیا ہے۔ ہاں اس کی صرف یہ صورت ہوسکتی ہے کہ کفار ان پر غالب ہوں؛ تو ان کے ساتھ ملاطفت کا اظہار کریں۔ اور دین کے معاملہ میں ان سے اختلاف رکھیں۔ یہ اس آیت کی تفسیر ہے:

﴿اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً.....﴾[آل عمران ۲۸]

''مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بھی بچنا......''

ان دونوں آیات میں اصل حکم ذکر کر کے اس میں استثناء بھی بیان کر دیا ہے۔ جیسا کہ ''إلّا'' کے لفظ سے ظاہر ہے۔ یہ تو صرف اباحت کے لیے ہے؛ واجب حکم یا دین کا جز نہیں۔

یہ ہے شرعی تقیہ۔

## شیعہ کے ہاں تقیہ:

جب کہ شیعہ اثناء عشریہ کے ہاں تقیہ دین کا لازمی حصہ ہے۔ انہوں نے مختلف روایات نقل کی ہیں؛ جنہیں وہ اہل بیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان میں سے جعفر صادق کا یہ قول بھی ہے:

''تقیہ دین کے نو حصے ہے۔''

اور ''اس کا کوئی دین نہیں جو تقیہ نہیں کرتا۔''

اور ایک روایت ابو جعفر سے بھی منقول ہے؛ جس میں ہے:

''تقیہ میرا دین ہے؛ اور میرے آباء کا دین ہے۔'' [1]

حقیقت میں اہل بیت اطہار اس قسم کے لغو کلام سے بالکل بری ہیں۔

شیعہ علماء کا اس عقیدہ پر اتنا زیادہ اعتماد ہے کہ اسے بھی نماز کی طرح دین کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول شمار کرتے ہیں۔ ان کا ایک بڑا عالم ابن بابویہ قمی کہتا ہے:

''ہمارا عقیدہ ہے کہ تقیہ کرنا واجب ہے۔ اور اس کا ترک کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے نماز کا ترک کرنے والا۔'' [2]

---

[1] الکافی؛ باب التقیة ۲/۲۱۷.

[2] الاعتقادات ۱۴۴۔ پھر غلو میں بڑھتے ہوئے کہتے ہیں: ''بیشک تقیہ کا ترک ہلاک کر دینے والا گناہ ہے جو کہ نبوت کا انکار، امامت کا انکار، بھائیوں پر ظلم کرنا یا ترک تقیہ ہے۔'' (المکاسب المحرمة: ۲/۱۶۳) پھر تقیہ میں مزید غلو کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''دین کے دس میں سے نو حصے تقیہ میں ہیں۔ اور جو شخص تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں ہے۔'' [أصول الکافی: ۲/ ۵۷۲۔ح: ۲۔ باب التقیہ۔] (۴) پھر مبالغہ آرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں: تقیہ ترک کرنا ایسا گناہ ہے جو کبھی معاف نہ ہوگا۔ علی بن حسین علیہ السلام فرماتے ہیں: [جاری ہے]

اس طرح ان لوگوں نے تقیہ یعنی جھوٹ کو دین کا حصہ بنا لیا؛ جس کے ذریعہ قربت الٰہی حاصل کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ جھوٹ دین کے نو حصے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو کوئی گفتگو میں جھوٹ بولے؛ عمل سے دھوکہ دے؛ تو یہ انسان روزانہ دین کے نو حصوں پر عمل کرتا ہے۔

اس سے بھی بڑی مصیبت یہ ہے کہ تقیہ صرف امام کا دین نہیں ہے؛ بلکہ تمام اہل بیت کا دین ہے۔ جن میں تمہاری روایات کے مطابق نبی کریم ﷺ بھی شامل ہیں۔

اس میں استثناء کی صورت صرف یہ ہے کہ ائمہ کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔ اور یہ طے کر لیا جائے کہ ان کا دین وہ نہیں ہے جو نبی کریم ﷺ لیکر آئے تھے۔ اس لیے کہ ان روایات میں: ''میرے آباء کے دین کا مفہوم یہی ہے۔''

کیا کوئی عقلمند اس بات پر راضی ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے متعلق ایسا عقیدہ رکھے؛ جو اللہ تعالیٰ نے نازل ہی نہیں کیا۔ تاکہ وہ اخلاق کی پاکیزگی کرے؛ اور معاملات کی بنیاد سچائی؛ اور وضاحت وصراحت پر ہو؛ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک واضح ہو۔ تاکہ زندگی درست سمت پر گامزن رہے۔ اور سچائی؛ امانت؛ اور وضاحت کی روشنی میں ترقی ہوتی رہے۔

خیال کیجیے کہ! جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں؛ اگر وہ سچ ہے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

## تقیہء امام کے بھیانک نتائج



اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ:

۱۔ ''یہ دین جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، تقیہ یعنی جھوٹ کا دین ہے۔''

[بقیہ]: اللہ تعالیٰ مومن کا ہر گناہ معاف کردیں گے اور اسے دنیا اور آخرت میں گناہوں سے پاک کردیں گے سوائے دو گناہوں کے، ۱۔ تقیہ ترک کرنا، ۲۔ بھائیوں کے حقوق کا ضیاع۔'' [تفسیر الحسن العسکری: ۳۲۱۔ ح: ۱۶۶۔ وسائل الشیعۃ: ۱۶/ ۲۲۳۔ ح: ۶۔] الکلینی روایت کرتا ہے کہ ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: اے سلیمان! تم ایسے دین کے پیروکار ہو جو اسے چھپائے گا اللہ اسے عزت دے گا اور جو اسے ظاہر کرے گا اللہ اسے ذلیل و رسوا کردے گا۔'' [اصول الکافی: ۲/ ۵۷۶۔ ح: ۳۔ باب الکتمان۔ کتاب الایمان والکفر۔] آخر میں یہ روایت ملاحظہ فرمائیں: تقیہ کا تارک کافر ہے، اللہ کے دین اور امامیہ کے دین سے خارج ہے۔'' [الاعتقادات: ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ بحار الأنوار: ۷۵/ ۳۴۷۔ باب مواعظ موسی بن جعفر'']

تمام اُدیان اور شہری معاشروں میں جھوٹ ایک بُرا وصف ہے حتی کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی اسے بُرا سمجھا جاتا تھا۔ عام انسان بھی جھوٹ بولنے سے کتراتا تھا، چہ جائے کہ وہ اسے اپنا دین سمجھتا ہو۔ اور پھر کیا یہ بات معقول ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا دین نازل کرے جس کے نو حصے جھوٹ پر مشتمل ہو؟

۲۔ جب تقیہ دین تھا (اور اس کا کوئی دین نہیں جو تقیہ نہیں کرتا) (اور تقیہ تمام اہلِ بیت کا دین ہے)، (اور تقیہ دین کے نو حصے ہے)۔ جیسا کہ تمہاری روایات سے ظاہر ہے۔

تو پھر ہم نبی کریم ﷺ پر کیسے یقین کر سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے کامل دین پہنچا دیا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ آپ نے کچھ حصہ چھپا دیا ہو، کیونکہ تقیہ کرنا آپ کا دین تھا؟۔

جیسا کہ تمہاری روایات کہتی ہیں، استغفر اللہ، حاشا وکلا۔ یہ اہل بیت کا دین نہیں۔

۳۔ جب تقیہ دین تھا، تو پھر ہم کیسے یقین کر سکتے ہیں کہ جن چیزوں کی خبریں نبی کریم ﷺ نے دی ہیں، ان میں سے بعض باتیں تقیہ کرتے ہوئے حق کے خلاف کہی ہوں۔

۴۔ جب تقیہ دین ہے تو پھر کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ائمہ کے تمام اُقوال واُفعال تقیہ پر مبنی ہوں؟ اور تقیہ کی بنا پر صادر ہوئے ہوں؟۔

۵۔ جب تقیہ دین ہے، تو امامت کا کیا فائدہ؟ کیونکہ امامت سے مقصود تو حق بات پہنچانا اور اس کی تعلیم دینا ہے، اور امام ہی حقیقت کو چھپا رہا ہو، اور اپنی زندگی بچانے کے لئے دین ضائع کر رہا ہو تو پھر اس امامت کا کیا فائدہ؟

۶۔ جب تقیہ دین ہے، تو پھر ہمیں کون بتائے گا کہ امام کا یہ فعل تقیہ کی بنا پر تھا اور یہ تقیہ کی بنا پر نہیں تھا، اور یوں امام کی وجہ سے پیدا ہونے والا اختلاف ختم ہو جائے گا۔ حسب زعمکم۔ کیونکہ تم لوگوں کا عقیدہ ہے کہ امام کا وجود اس لئے ہے کہ لوگوں کے مابین اختلاف کو ختم کیا جائے۔ جبکہ وہ خود ہی نت نئے اختلاف پیدا کرتا ہے، ایسے اعمال کرتا ہے اور ایسی باتیں کہتا ہے جو کہ تقیہ پر مبنی اور حقیقت کے خلاف ہوتی ہیں۔ اور وہ اپنے

اتباع کاروں کو اختلاف میں حیران و پریشان اور سرگرداں چھوڑ دیتا ہے۔

## اختلاف کا خاتمہ؛ اور امام کو اس کے اتباع کی ضرورت:

یہی وجہ ہے کہ امام کو اس کے اتباع کی ضرورت پڑی تا کہ وہ ان کی اصلاح کر سکے؛ اور ان کے مابین اختلاف کو ختم کر سکے۔ پس اس لیے انہوں نے کتابیں تحریر کیں تا کہ لوگوں کے سامنے بیان کر سکیں کہ کیا کچھ تقیہ تھا؛ اور کیا کچھ تقیہ نہیں تھا۔ جیسا کہ طوسی نے اپنی دونوں کتابوں التھذیب اور الاستبصار میں کیا ہے۔ ان دونوں کتابوں کی تحریر کا مقصد بھی یہی تھا۔

یہ لوگ امام سے زیادہ بہادر تھے ،اس لئے انہوں نے وہ چیزیں بیان کر دیں جن کے بیان کی استطاعت امام میں نہ تھی، اور امام سے زیادہ فائدہ امت کو پہنچایا، کیونکہ اختلاف اُن لوگوں نے ختم کیا امام نے نہیں۔

ان کا شیخ الطائفہ طوسی اپنی کتاب "التھذیب" کے مقدمہ میں کہتا ہے:

"مجھے بعض دوستوں نے یاد دِلایا، اللہ اُن کی مدد فرمائے ، جن کا حق ہم پر ہمارے اصحاب کی اَحادیث کی روشنی میں واجب ہے ، اللہ اُن کی تائید فرمائے ، اور اُن کے سلف پر رحم کرے کہ وہ روایات جن میں اختلاف ، منافاۃ اور تضاد واقع ہوا ہے حتی کہ کوئی ایک روایت ایسی متفق علیہ نہیں ہے ، جس کے مقابلہ میں اس کے متضاد دوسری روایت موجود نہ ہو۔ اور کوئی حدیث ایسی نہیں ، جس کے منافی دوسری حدیث نہ ہو۔ حتی کہ ہمارے مخالفین کی طرف سے ہمارے دین میں سب سے بڑا طعن یہی باتیں ہیں ، اور اُن کی وجہ سے وہ ہمارے عقیدہ کو باطل ثابت کرنے لگے ہیں۔"

آگے چل کر وہ کہتا ہے:

"حتی کہ اس کا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پاس زیادہ علم نہیں تھا ، اور نہ ہی متشابہ الفاظ کی توجیہات اور معانی میں بصیرت تھی ، حتی کہ اِن میں سے بہت سارے لوگوں نے حق عقیدہ کو ترک کر دیا۔ کیونکہ اس پر اس کی توجیہ مشتبہ ہو گئی

تھی۔اور وہ اس شبہ کے حل سے عاجز آ گیا تھا۔میں نے اپنے شیخ ابو عبداللہ سے سنا، وہ بتا رہے تھے کہ ''ابوالحسن ھارونی علوی حق عقیدہ رکھتے تھے، اور دین امامیہ پر تھے، پھر انہوں نے اس دین کو ترک کر دیا، اس لئے کہ احادیث میں اختلاف کی وجہ سے ان پر حق ملتبس ہو گیا تھا۔تو انہوں نے اپنا مذہب ترک کے دوسرا مذہب اختیار کر لیا، کیونکہ ان پر معانی کی توجیہات واضح نہیں ہو سکیں۔'' ❶

آپ دیکھ رہے ہیں کہ شیخ الطائفہ کیسے اعتراف کر رہے ہیں کہ کوئی بھی روایت تناقض اور اختلاف سے خالی نہیں۔جس کی وجہ سے اہل خرد و دانش شیعہ کی عقلیں بیدار ہوئیں اور انہوں نے اس مذہب کو ترک کر دیا۔جیسا کہ اس عالم نے خود بیان اور اعتراف کیا ہے۔

## نئے امام نے پرانے امام کا تقیہ واضح کیوں نہیں کیا؟

جب پرانا امام تقیہ پر مبنی کوئی بات کہتا ہے، تو بعد میں آنے والا دوسرا امام اپنے تبعین کو نہیں بتاتا کہ اس کے باپ نے یہ بات تقیہ سے کہی ہے۔یہ روایات آپس میں متناقض کیوں کر باقی ہیں۔ان تمام ائمہ کے بعد آخر میں ایک اور امام آیا۔اس نے بھی اس طرف توجہ نہیں دی۔حتی کہ اس طائفہ کے علماء آگے بڑھے تاکہ لوگوں کو یہ بتا سکیں، اس میں بھی ان کے پاس ائمہ سے منقول کوئی دلیل نہیں، بلکہ محض تخمینہ اور اندازہ ہے، اور ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ یہ عالم جو بات کہہ رہا ہے، وہ صحیح ہے یا غلط؟

❀ پھر اس مقیاس پر: یہ شیعہ عالم اس بات کا مستحق ہے کہ اسے امام کہا جائے کیونکہ ائمہ کے اقوال میں اختلاف کا خاتمہ اس نے کیا ہے۔بلکہ یہ امام الائمہ کے خطاب کا مستحق ہے۔کیونکہ اس نے تمام ائمہ کے اقوال سے اختلاف ختم کیا ہے۔جبکہ ائمہ نے تو لوگوں کو ورطہ حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔حتی کہ بعض اہل مذہب ان کے تناقضات کی وجہ سے مذہب چھوڑ کر چلے گئے۔پس یہ لوگ امام کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔جبکہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ائمہ اس جھوٹ اور خرافات سے بری ہیں جو کہ آپس میں متناقض ہے۔لیکن ہم ان عجیب و غریب روایات پر کلام کو احاطہ تحریر میں لا رہے ہیں۔

❶ تهذيب الأحكام ١/ ٢-٣.

۷۔ پھر وہ شجاعت کہاں گئی جو کہ امام کی شرائط میں سے ایک تھی کہ امام تمام بشریت سے شجاع اور بہادر ہونا چاہئے۔جیسا کہ ان لوگوں نے امام کی صفات کے متعلق خیالات تراش رکھے ہیں۔شیعہ کا عقیدہ ہے کہ:

''امام کا تمام بشریت سے زیادہ بہادر ہونا واجب ہے۔'' ❶

تو اس امام کی شجاعت کہاں گئی جو حقیقت بیان نہ کر سکتا ہو؟

## تقیہ اور علم الغیب:

۸۔ پھر وہ علم الغیب کہا گیا جس کے لئے انہوں نے بیسیوں اُحادیث گھڑ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ''کہ ائمہ علم الغیب جانتے ہیں۔''

بیشک امام سائل کو فتویٰ بھی تقیہ کے ساتھ دیتا ہے ،اسے ڈر ہے کہ کہیں یہ سائل اس پر جاسوس نہ چھوڑا گیا ہو۔پس اسے جھوٹا فتوی دیتا ہے تا کہ اسے دھوکہ میں رکھ سکے۔

بیشک ایسا انسان امام اور عالم نہیں ہوسکتا کوئی جاہل ہی ہوگا۔شیعہ اثنا عشریہ نے سینکڑوں اُحادیث گھڑ کر روایت کی ہیں کہ امام علم الغیب جانتا ہے۔اور اسے ماکان و مایکون اور ما ھو کائن کا علم ہوتا ہے۔اور جب وہ کسی چیز کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے،تو اسے علم حاصل ہو جاتا ہے۔تو پھر کیا اسے اس سائل کا علم نہیں ہوسکا کہ وہ اس کا پیروکار ہے یا نہیں؟۔

کلینی نے ''الکافی''میں کہا ہے:

۱۔ ''باب ائمہ علیہم السلام جب غیب جاننا چاہیں تو وہ جان سکتے ہیں۔ ❷

۲۔ باب: ائمہ علیہم السلام کو ؛جو تھا،جو ہو گیا،جو ہونے والا ہے،سب کا علم ہوتا ہے اور ان پر کوئی چیز مخفی (چھپی) نہیں ہوتی۔ ❸

۳۔ باب: ائمہ علیہم السلام سے اگر کوئی چیز چھپائی جائے تو انہیں انسان کی ہر ایک چیز کے بارے میں آگاہ کر دیا جاتا ہے، جو کچھ اس نے کیا،یا کرنے والا ہے۔ ❹

---

❶ [الاقتصاد: ۳۱۲.]
❷ الکافی: ۱/ ۲۵۸.
❸ الکافی: ۱/ ۲۶۰.
❹ الکافی: ۱/ ۲۶۶.

پھر یہ خودساختہ علمِ غیب کہاں گیا؟ کہ یہ اپنے سامنے کے شخص کو اس ڈر سے جھوٹ پر مبنی فتویٰ دیتے ہیں کہ کہیں وہ بادشاہ کا جاسوس نہ ہو۔

## امام جان بوجھ کر سائل سے حق چھپاتا ہے:

۹۔ پھر یہ مسکین سائل جسے امام نے جھوٹا فتویٰ دیا ہے، جا کر جھوٹ کو عبادت سمجھ کر بجا لاتا ہے، اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یہی حق ہے۔ کیونکہ یہ فتوی ایک امام معصوم سے صادر ہوا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ ہے۔ تو پھر اس مسکین انسان کا کیا گناہ ہے؟ جو اللہ تعالیٰ کا دین سمجھنے کے لیے آیا تاکہ اس حق کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکے جو اس نے نازل کیا ہے۔ اور جس کا اعتماد یہ ہے کہ ایسے امام معصوم کے علاوہ کسی سے سوال نہ کرے جو کہ عمداً و سہواً جھوٹ بیانی اور خطاء سے معصوم ہے۔ جیسا کہ شیعہ لوگوں کا عقیدہ ہے۔ اور ادھر امام کی حالت یہ ہے کہ وہ سائل کے سامنے جھوٹ بولتا ہے؛ اور اسے ناحق اور غلط فتوی دیتا ہے۔

## اگر امام حق نہ کہہ سکے تو خاموش رہے:

۱۰۔ پھر اگر امام حق نہیں کہہ سکتا تو اسے چاہیے کہ وہ خاموش رہے؛ اور جھوٹ نہ بولے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ [یونس ۷۰]

''دنیا میں تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے، پھر ہم انھیں بہت سخت عذاب چکھائیں گے، اس وجہ سے جو وہ کفر کرتے تھے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ﴾ [النحل ۱۰۵]

''جھوٹ تو وہی لوگ باندھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور

وہی لوگ اصل جھوٹے ہیں۔''

وہ لوگ جو کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں؛ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ ان کا دین ہے ؛تاکہ وہ اپنی زندگیوں کی حفاظت کرسکیں۔جبکہ انہیں حکم تو دین کی تبلیغ کا دیا گیا ہے۔تو ایسے لوگ جو دنیا کی زندگی میں بہت تھوڑا سا فائدہ اٹھانے کے لیے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتے ہیں؛ یقیناً ان لوگوں نے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے؛ اور اللہ نے ایسے لوگوں کو بہت سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔ حاشا و کلا؛ آل بیت اطہار ہرگز اس قسم کے لوگ نہیں ہوسکتے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''جو کوئی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو؛ اسے چاہیے کہ وہ خیر کی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔'' [1]

## معصوم کے تناقضات:

لیکن یہ قصہ سنیں ؛ جو کہ ایک شیعہ اثنی عشرہ عالم نوبختی نے نقل کیا ہے۔

وہ ایک امام سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے:

''ایک شیعہ آدمی جس کا نام عمر بن ریاح تھا؛ وہ اپنے امام کے پاس گیا تاکہ ان سے ایک مسئلہ دریافت کرسکے اور اس کو فتوی دیدیا گیا۔ اگلے سال وہ آدمی دوبارہ آیا؛ اور اس نے وہی مسئلہ دریافت کیا۔ اس بار امام صاحب نے پہلی بار کی برعکس جواب دیا۔تو اس آدمی کو حیرت ہوئی اور اس نے پوچھا:''پچھلے سال تو آپ نے اس کے برعکس فتوی دیا ہے؟۔تو امام صاحب نے اس سے کہا:''بیشک ہمارا جواب تقیہ کی صورت میں صادر ہوا تھا۔''

تو اس آدمی کو اس معاملہ میں اور آپ کی امامت میں شک ہونے لگا۔

پھر وہ شیعہ وہاں سے نکلا؛ اسے ایک اور شیعہ ملا ؛ جس کا نام محمد بن قیس تھا؛ اس نے اس کے سامنے یہ سارا قصہ بیان کردیا؛ اور اس سے یہ بھی کہا کہ؛ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ میں

[1] رواہ البخاري: ٥٥٥٩۔ مسلم: ٦٧.

نے جب ان سے سوال کیا تو میرا ارادہ بالکل ٹھیک تھا۔ اور میں ان کے فتوی کو دین سمجھتا تھا۔ اور ان کے قول پر عمل کرتا تھا۔ اور پھر کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ میرے ساتھ تقیہ کرتے ؛ جب کہ میری حالت تو یہ ہے۔

تو محمد بن قیس نے کہا: شائد کہ تمہارے ساتھ کوئی ایسا آدمی موجود ہو؛ جس کی وجہ سے انہوں نے تقیہ کیا ہو؟۔

تو اس آدمی نے کہا: ان دونوں مرتبہ میں ان کی مجلس میرے علاوہ کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا۔ لیکن دونوں بار آپ کا جواب لاعلمی پر مبنی تھا۔ اور آپ کو پچھلے سال والا جواب یاد نہیں رہا تھا؛ تا کہ وہ وہی جواب دے سکتے جو پچھلے سال دیا تھا۔

اور پھر اس نے ان کی امامت سے یہ کہتے ہوئے رجوع کر لیا کہ:

''جو باطل فتوے دیتا ہو وہ امام نہیں ہو سکتا۔'' [1]

ہاں اللہ کی قسم! یہی بات درست ہے کہ باطل فتوے دینے والا کبھی امام نہیں ہو سکتا۔

تو کیا شیعہ اس حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے ان روایات سے برأت کا اظہار کر سکتے ہیں جو کہ اہل بیت اطہار کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کا سبب بنتی ہیں۔

کلینی نے زرارہ بن اعین سے روایت کیا ہے؛ وہ کہتا ہے: میں نے ابو جعفر سے ایک مسئلہ پوچھا؛ اور انہوں نے مجھے اس کا جواب دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک اور آدمی آیا؛ اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا؛ آپ نے اس کو میرے والے جواب سے ہٹ کر ایک دوسرا جواب دیا۔

پھر ایک تیسرا آدمی آیا ؛ اور اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا؛ تو اس کو جو جواب دیا؛ وہ میرے اور میرے دوسرے ساتھی کے جواب سے مختلف تھا۔

جب وہ دونوں چلے گئے تو میں نے عرض کی! اے فرزند رسول اللہ ﷺ ! یہ دونوں افراد عراقی اور آپ کے شیعہ میں سے تھے۔ یہ دونوں آپ سے مسئلہ دریافت کرنے کے لیے

[1] فرق الشیعة: ۵۹-۶۱.

آئے تھے۔آپ نے دونوں کوایک ہی مسئلہ میں دومختلف جواب دیے۔

تو آپ نے فرمایا: اَے زرارہ! یہ ہمارے لیے اور تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور اگر تم سب یک زبان ہو جاؤ؛ تو لوگ تمہیں ہمارے متعلق سچا خیال کریں؛ اور ایسا ہونا ہماری اور تمہاری بقاء کے کم ہونے کا سبب ہے۔ ❶

یہ تو صرف ایک مثال تھی؛ اس طرح کے اس کے علاوہ ہزاروں فتوے ایسے ہیں جن میں تناقضات کی بھرمار ہے۔

تو پھر کیا یہ بات درست ہے کہ: امام جھوٹ بولتا ہے؟

معاذ اللہ کہ ان لوگوں کے یہ اخلاقیات ہوں وہ تو اہل بیت نبوت کے بہترین لوگ ہیں۔

۱۱۔ پھر یہ کہ جب لوگوں کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ تقیہ کرنا دین کا حصہ ہے؛ تو انہیں اپنے امام پر اعتماد کیسے ہوگا؟ اور وہ کیسے یہ پہچان سکیں گے کہ جو کچھ امام صاحب نے کہا ہے وہ تقیہ سے کہا ہے یا بغیر تقیہ کے کہا ہے۔

## معرفت حق نہ ہو تو اہل سنت کے خلاف عمل:

۱۲۔ پھر ان روایات کے گھڑنے والوں کا مقصد اور مراد یہ تھی کہ شیعہ کو باقی امت سے دور کیا جائے۔ اس لیے انہوں نے ان لوگوں کے لیے بھی علیحدہ سے روایات گھڑ لیں جو کہ امام تک پہنچنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے؛ اور انہیں دو مختلف مسئلوں میں حق کا علم نہ ہو اور اس کا حل یہ نکالا کہ ایسے شیعہ اس مسئلہ کے مطابق عمل کرلیں جو اہل سنت والجماعت کے [عقیدہ وعمل کے] خلاف ہو۔

اس سلسلہ میں انہوں نے امام جعفر الصادق کی طرف ایک روایت منسوب کر رکھی ہے کہ ان سے ایک سائل نے دریافت کیا کہ:

''اگر ہمیں کسی معاملہ میں دو روایات ملیں؛ ان میں سے ایک عامہ (یعنی اہل سنت) کے موافق ہو؛ اور دوسری ان کے مخالف ہو؛ تو پھر کس روایت پر عمل کیا جائے؟ فرمایا:

❶ أصول الكافي: ۱/ ٦٥.

''اس روایت پر جو اہل سنت کے مخالف ہو؛ کامیابی اسی میں ہے۔'' [1]

اللہ کی قسم! شیعہ مذہب کا یہ وہ عجیب ترین قاعدہ ہے جس سے اہل بیت بری ہیں۔

میں کہتا ہوں: پھر اس صورت میں سائل کو امام کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟

بس اسے چاہیے کہ دیکھ لے اہل سنت کیا کر رہے ہیں اور پھر ان کی مخالفت شروع کر دے۔

## تقیہ اور منصبِ امامت سے معزولی:

۱۴۔ پھر یہ امام اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی حفاظت اور دعوت کے لئے متعین تھا تو پھر اس نے تقیہ کیوں کیا؟

اور اگر یہ کہیں کہ تقیہ امام کی جان کی حفاظت، جیل، سزا اور قتل سے بچنے کے لئے ہے:

تو ہم پوچھتے ہیں کہ: امام کی ذمہ داری ہے کہ وہ أنبیاء کی طرح لوگوں تک دین پہنچائیں، اگر چہ اس راہ میں وہ قتل ہو جائیں، یا تکالیف اٹھانا پڑیں۔ اس لئے کہ أنبیاء کے لئے لوگوں کے خوف سے اللہ کا حکم ترک کرنا جائز نہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ (الأحزاب ۳۹)

''یہ سب ایسے تھے کے اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔''

قرآن میں یہ کہاں ہے کہ أنبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی نے تقیہ کیا ہو؟ اور انہوں نے واضح طور پر اپنی قوم کو دین نہ پہنچایا ہو؟

تمہارے نزدیک امامت بھی نبوت کی طرح ہے۔ یعنی یہ واجب ہے کہ امام بھی شجاعت اور برداشت میں أنبیاء کی طرح ہو۔ کیونکہ اس پر واجب ہوتا ہے کہ وہ دین کی تبلیغ کھل کر

---

[1] أصول الكافي للكليني ۱/۶۷۔ من لا يحضره الفقيه /ابن بابويه القمي ۳/۵۔ التهذيب أز طوسي ۶/۳۰۱۔ الاحتجاج للطبرسي ۱۹۴۔ الحر العاملي ۱۸/۷۵۔

کرے، بھلے اسے قتل ہی کر دیا جائے۔ اس لیے کہ اس کا دین اور رب کی رضامندی اس کی اپنی جان سے بڑھ کر قیمتی ہے۔ کسی نبی یا وصی کی زندگی کی۔ تمہاری روایات کے مطابق۔ کون سی قیمت باقی رہ جاتی ہے جب دین ضائع ہو جائے؟!!۔

۱۴۔ اور اگر امام بھی اپنے اتباع کاروں کی طرح ہو جو کہ تبلیغِ دین کی ذمہ داری کما حقہ نہ نبھا سکے تو پھر اس کی امامت کا کیا فائدہ ہے؟۔

۱۵۔ امام صاحب تقیہ کیوں کرتے ہیں؟ جبکہ اس کے پاس خارقِ عادت قوت ہے جس کا تصور بھی ممکن نہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے تابع ہے۔ جیسا کہ تم لوگوں کا عقیدہ ہے۔

آخر میں یہ گزارش ہے کہ: ذرا سید ھاشم البحرانی کی کتاب "مدینۃ المعاجز" کا مطالعہ کریں تو آپ کو عجائب وغرائب ملیں گے۔ اس میں اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پانچ سو (500) معجزات ذکر کیے ہیں۔

تو پھر آپ ان معجزات کو دعوت کے لئے کام میں کیوں نہ لائے؟۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جن کی طرف امامت منسوب کی جاتی ہے وہ بھی عام بشر کی طرح بشر ہیں۔ انہوں نے بھی ویسی زندگی گزاری جیسی زندگی اُن جیسے دوسرے عابد و زاہد اور صالحین نے گزاری۔ نہ ہی انہیں امامت کا علم تھا اور نہ ہی کبھی انہوں ایسا کوئی دعویٰ کیا۔

ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں، جو انہوں نے نہیں کہیں۔ اور نہ ہی ان کے پاس کوئی خارقِ عادت چیز ہے اور نہ ہی کوئی معجزہ، اگر واقعی ایسا ہوتا تو پھر معاملہ کچھ دیگر ہوتا۔

اور عنقریب یہ حضرات اُن لوگوں کے خلاف دعویدار ہوں گے جو اس طرح کی باتوں سے انہیں تکلیف دیتے ہیں جو کہ انہوں نے نہیں کہیں۔ اور اللہ عزوجل کے ہاں اس کا وقت مقرر ہے۔ جب سینوں کے راز آشکار ہوں گے، اور مُردے قبروں سے نکل پڑیں گے اور ہر فاسق و فاجر کو اس کے کیے کی سزا ملے گی۔

۱۶۔ پھر: اُن شیعہ علماء کا کیا موقف ہے جو لوگوں کو فتویٰ دیتے ہیں؟

کیا وہ بھی اپنے ائمہ کی طرح تقیہ کریں گے یا نہیں؟

اگر وہ تقیہ کریں گے تو ان کے قول اور فتویٰ کا کیا اعتبار رہے گا؟

اگر وہ تقیہ نہیں کرتے تو پھر کیوں؟

کیا وہ اپنے ائمہ سے زیادہ بہادر ہیں یا پھر تقیہ پر ایمان نہیں رکھتے؟

اگر وہ اپنے ائمہ سے زیادہ بہادر ہیں؛ تو یہ ائمہ کی شان میں طعنہ زنی ہے۔

اور اگر وہ تقیہ پر ایمان نہیں رکھتے؛ تو پھر یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے جب کہ ان کے ائمہ اس پر ایمان رکھتے تھے؛ اور تقیہ کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا دعوی ہے کہ وہ ائمہ کے اتباع گزار ہیں؛ مگر ان کے اعمال جیسے اعمال نہیں کررہے؟

شیعہ نے ساری زندگی خوف کے زمانہ میں گزار دی ہے۔ سوائے ایک مختصر سے زمانہ کے؛ جب بنو بویہ اور صفوی شیعہ کی حکومتیں قائم تھیں۔ اور ابھی تقریباً تیس سال کا عرصہ ہوا ہے (جب سے ایران کی حکومت قائم ہوئی ہے)۔

پھر یہ دین روایات کی نصوص اور اقوال مجتہدین کے مطابق ہے۔

ان نصوص پر عمل کرنے سے ان کی منزلت گر جاتی ہے؛ اور ان کے فتوے شکوک و شبہات کا شکار ہوجاتے ہیں۔

اور اگر وہ ان پر عمل نہیں کرتے تو اس سے ان کے ائمہ کی سیرت و کردار شک و شبہ کا شکار ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے ائمہ سے بھی بہادر نکلے؛ اور انہوں نے اس تقیہ پر عمل نہیں کیا جس پر ان کے ائمہ عمل پیرا رہے ہیں؛ تاکہ اپنی زندگیوں کی حفاظت کرسکیں۔

۱۷۔ آخری بات: وہ حق جس کو بیان کرنے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے عائد کی ہے؛ اسے چھپانا بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَٰتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَٰبِ أُولَٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّٰعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا

التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ﴾ [البقرة ۱۵۹-۱۶۰]

''بے شک جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو ہم نے واضح دلیلوں اور ہدایت میں سے اتارا ہے، اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے، ایسے لوگ ہیں کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور کھول کر بیان کر دیا تو یہ لوگ ہیں جن کی میں توبہ قبول کرتا ہوں اور میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہوں۔''

تو کیا یہ ممکن ہے کہ امام جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ ہو؛ وہ ایسا بھونڈا عمل کرے جس کی وجہ سے اس کا دین ضائع ہو جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم حق بات کو اس کی حقیقی صورت میں دکھائے اور اس کی اتباع کی توفیق دے۔ اور باطل کو اس کی باطل صورت میں دکھائے؛ اور ہمیں اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے؛ آمین

چھٹا مسئلہ:

# امام کی معجزانہ صلاحیت

شیعہ کتب میں بیسویں نہیں بلکہ سینکڑوں روایات ایسی ہیں جن میں ائمہ کی طرف خارق عادت معجزانہ صلاحیتیں منسوب کی گئی ہیں۔ حتی کہ کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو امام کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرتی ہو۔

شیعہ کے امام اکبر خمینی کا کہنا ہے:

''بلا شبہ امام کو ایسا مقام محمود، بلند درجہ اور تکوینی خلافت حاصل ہوتی ہے جس کی ولایت اور غلبے کے تحت اس کائنات کا ذرہ ذرہ سرنگوں ہے۔''[1]

اور بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ انہیں اس اسم اعظم کی ملکیت بھی حاصل ہے جو کہ انبیاء و مرسلین کو بھی حاصل نہیں۔ بلکہ ان کے پاس ایسی چیزیں بھی ہیں؛ جو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس موجود چیزوں سے بھی بڑی اور بڑھ کر ہیں۔

ان معجزات میں سے یہ بھی ہے کہ:

## زمین پر زلزلہ؛ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسے روکنا:

اثنا عشری شیعہ مفسر علامہ کاشانی نے یہ قصہ روایت کیا ہے:

''حضرت فاطمہ علیہا السلام سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں زلزلہ آیا۔ لوگ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرف گئے؛ تو دیکھا کہ وہ خوف کے مارے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف نکل چکے ہیں؛ لوگ بھی ان کے پیچھے چل پڑے۔ حتی کہ وہ سب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازے تک پہنچ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بے پرواہی کے عالم میں باہر نکلے۔ آپ چلتے گئے؛ اور لوگ بھی آپ کے پیچھے چل پڑے؛ حتی کہ ایک ٹیلے

[1] الحکومة الاسلامية: ۱۰۵.

کے پاس پہنچ گئے اور اس ٹیلے پر بیٹھ گئے۔ اور لوگ بھی آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔
اور آپ مدینہ کی دیواروں کو دیکھ رہے تھے کہ زلزلہ کی وجہ سے آگے پیچھے ہو رہی ہیں۔"

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: گویا کہ جس منظر کو تم دیکھ رہے ہو؛ اس نے تمہیں خوف زدہ کر دیا ہے۔

تو لوگ کہنے لگے: ہم کیسے خوف زدہ نہ ہوں؛ جبکہ ہم نے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا۔

تو آپ نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی؛ اور اپنے ہاتھ سے مارا؛ اور فرمانے لگے:

"ٹھہر جاؤ! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟۔ تو زمین اللہ کے حکم سے رک گئی۔

تو اس بات پر انہیں پہلے سے بھی زیادہ تعجب ہوا جب وہ یہ لوگ آپ کی طرف نکلے تھے۔ تو آپ نے ان سے کہا: کیا تم میرے اس کام پر تعجب کرتے ہو؟۔

کہنے لگے: جی ہاں!

تو آپ نے فرمایا: میں ہی وہ جوانمرد ہوں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَاo وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَاo وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَاo يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَاo﴾ [الزلزال: ۱-۵]

"جب زمین بھونچال سے ہلا دی جائے گی؛ اور زمین اپنے اندر کے بوجھ نکال ڈالے گی۔ اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوا ہے؟ اس روز وہ اپنے حالات بیان کر دے گی۔"

آپ نے فرمایا:

"میں وہ انسان ہوں جو زمین سے کہے گا کہ: تم کو کیا ہوا ہے؟"

﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا﴾

"اس روز وہ اپنے حالات بیان کر دے گی۔"

زمین مجھ سے اپنے احوال بیان کرے گی۔" [1]

[1] تفسیر الصافی ۵۷۱.

کلینی نے اپنی سند سے ابو جعفر سے نقل کیا ہے؛ آپ نے فرمایا:

''اسم اعظم کے تہتر حروف ہیں اور بیشک ان میں سے ایک حرف آصف بن برخیا کے پاس تھا؛ جو اس نے زبان پر لایا؛ تو اس کی وجہ سے اس کی جگہ سے لیکر بلقیس کے عرش تک زمین دھنس گئی؛ حتی کے اس نے اپنے ہاتھ سے تخت شاہی اٹھا لیا۔ اور پھر آنکھ جھپکنے سے قبل زمین اپنی پہلی حالت پر واپس چلی گئی۔''

اور ہمارے پاس اسم اعظم کے بہتر حروف ہیں اور ایک حرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ جسے اس نے اپنے علم غیب کے ساتھ خاص کر رکھا ہے۔ لاحول و لاقوۃ إلا باللہ۔ ❶

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ائمہ کے پاس حروف کی تعداد اللہ تعالیٰ کے پاس موجود حروف کی تعداد سے زیادہ ہے۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بادلوں کی سواری:

مجلسی نے ایک لمبا قصہ نقل کیا ہے۔ اس قصہ میں ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بادل کے دو ٹکڑوں کی طرف اشارہ کیا۔ تو ان میں ہر ایک ٹکڑا ایسے ہو گیا جسے بچھائی ہوئی قالین۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اکیلے ایک بادل پر سوار ہو گئے۔ اور دوسرے بادل پر۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ آپ کے چند دوسرے ساتھی حضرت سلیمان؛ مقداد وغیرہ سوار ہو گئے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب بادل پر تھے تو آپ نے فرمایا:

''میں اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہوں جو کبھی بجھے گا نہیں۔ میں زمین میں اللہ تعالیٰ کی آنکھ ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس کی بولتی ہوئی زبان ہوں۔ اور میں اللہ تعالیٰ کا وہ دروازہ ہوں جس سے داخل ہوا جاتا ہے اور میں اس کے بندوں پر اس کی حجت ہوں۔'' ❷

❶ الكافي: ١/ ٢٣٠. ❷ بحار الأنوار: ٢٧/ ٣٤.

اور پھر اس قصہ میں بڑی عجیب وغریب باتیں نقل کی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے آپ سے انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کی بابت سوال کیا؛ تو آپ نے فرمایا: ''میں تمہیں ان سب سے بڑا معجزہ دکھاؤں گا۔''

حتی کہ آپ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا؛ اور جان کو پیدا کیا؛ میں زمین اور آسمان کی اس بادشاہی کا مالک ہوں اگر اس میں تمہیں کچھ تھوڑا سا بھی مل جائے تو تمہارے اعضاء اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہ رکھیں۔ اور بیشک ''اسم اعظم کے تہتر حروف ہیں۔ اور ان میں سے ایک حرف آصف بن برخیا کے پاس تھا؛ جو اس نے زبان پر لایا؛ تو اس کی وجہ سے اس کی جگہ سے لیکر بلقیس کے عرش تک زمین دھنس گئی؛ حتی کے اس نے اپنے ہاتھ سے تخت شاہی اٹھالیا۔ اور پھر آنکھ جھپکنے سے قبل زمین اپنی پہلی حالت پر واپس چلی گئی۔''

اور اللہ کی قسم! ہمارے پاس اسم اعظم کے بہتر حروف ہیں۔ اور ایک حرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ جسے اس نے اپنے علم غیب کے ساتھ خاص کر رکھا ہے۔'' [1]

اگر یہ دعوے سچے ہیں؛ تو ہمیں ائمہ کی زندگی میں ان کے اثرات ملاحظہ کرنے چاہییں۔

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جنہوں نے تمہاری روایات کے مطابق انتہائی مقہور و مغلوب اور ذلیل ہو کر بیعت کی۔ اور یہ من گھڑت روایات آپ کی ایسی صورت بنا کر پیش کرتی ہیں جو کہ ان لوگوں کے ساتھ بھی شجاعت اور قوت ایمانی کے حساب سے مناسب نہیں جو کہ آپ سے بہت کم قوت ایمانی والے اور غیرت نفسانی والے لوگ تھے۔

## رسی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گردن میں:

شیعہ روایات بتاتی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گردن میں رسی ڈال کر آپ کو گھسیٹ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے لایا گیا۔

---

[1] بحار الانوار: ۲۷/ ۳۷.

سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب میں ایک ڈرامائی کہانی لکھی گئی ہے۔ جس میں یہ منظر پیش کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام قنفذ کو بھیجا کہ جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیعت کے لیے بلا لائے۔ مگر آپ تشریف نہیں لائے۔ تو آپ نے دوبارہ یہ کہہ کر بھیجا کہ:

"جاؤ اور اس سے کہو کو چلا آئے؛ ورنہ میں خود اس پر زبردستی کروں گا اور اگر پھر بھی نہ مانا تو میں اس کے گھر میں آگ لگا دوں گا۔ پھر وہ قنفذ ملعون اپنے ساتھیوں کے ساتھ گیا۔ اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ بغیر اجازت کے آپ کے گھر میں داخل ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر سخت غصہ میں آ گئے۔ آپ اپنی تلوار اٹھانے کے لیے اٹھے؛ مگر انہوں نے پہلے بڑھ کر تلوار اٹھا لی۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بعض نے اپنی تلواریں نیام سے باہر نکال لی تھیں۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گردن میں رسی ڈال لی۔ گھر کے دروازے کے پاس ان کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آڑے آئیں۔ تو قنفذ ملعون نے آپ کو کوڑا مارا۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو اس وقت ان کے بازو پر اس کوڑے کا نشان موجود تھا۔ پھر یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھسیٹتے ہوئے لیکر گئے۔ حتی کہ لے جا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس وقت آپ یہ کہہ رہے تھے۔ ہاں اللہ کی قسم! اگر میری تلوار میرے ہاتھ لگ جاتی تو تمہیں یہ پتہ چل جاتا کہ تم اس مقام تک کبھی بھی ہرگز نہ پہنچ پاتے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو جھڑکا۔ اور کہا: یہ باطل اور خرافات باتیں چھوڑو اور بیعت کرو۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اگر میں ایسا نہ کروں تو تم میرے ساتھ کیا کرو گے؟ تو انہوں نے کہا: ہم آپ کو ذلیل و رسوا کر کے قتل کر دیں گے...... یہاں تک کہ...... ان سے کہا: اے ابوطالب کے بیٹے! اٹھو اور بیعت کرو۔ تو انہوں نے پھر کہا: اگر میں ایسا نہ کروں تو تم کیا کرو گے؟ تو کہا: پھر ہمیں اللہ کی قسم! ہم تمہاری گردن مار دیں گے۔" آپ نے تین بار ان سے احتجاج کیا۔ پھر آپ نے مٹھی بند کر کے ہاتھ آگے بڑھایا۔ اور

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پر اپنا ہاتھ مار کر ان سے ایسی بیعت ہی قبول کر لی۔ بیعت کرنے سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گردن میں رسی ڈالی ہوئی تھی؛ اور آپ چلا کر کہہ رہے تھے: ﴿ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ کَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ﴾ [الاعراف: ۱۵۰] ''میرے ماں جائے! بیشک قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے۔'' [1]

کیا یہ مناسب ہے کہ اس قسم کا قبیح جھوٹ گھڑ کر آپ کی طرف منسوب کیا جائے؟

## حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معجزات کا عدم استعمال:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے معجزے استعمال کیوں نہ کیے؟۔

اول:...... وہ خارق عادت قوتیں اپنی جان کی حفاظت اور اس دین کی نصرت کے لیے استعمال میں کیوں نہ لائے؟

دوم:...... آپ ساری زندگی ان خلفائے ثلاثہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔

پھر یہی حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی رہا۔ کہ آپ کو ان کے مقابلہ میں فتح نصیب نہ ہوئی؛ حالانکہ ان کے خلاف آپ نے تلوار بھی استعمال کی تھی۔

تم لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ امامت دین کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔ اور جو کوئی اس کا اعتقاد نہ رکھے؛ وہ کافر ہے۔ اور جو کوئی امامت کا انکار کرے؛ وہ بھی کافر ہے۔ اور جو کوئی متعین ائمہ کے علاوہ کسی دوسرے کو امام مانے؛ وہ بھی کافر ہے۔ تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کیسے اس بات پر راضی رہ سکتے ہیں کہ ساری امت کافر ہو جائے؛ اور وہ خدائی اسلحہ لیکر بیٹھے رہیں۔ [اسے استعمال نہ کریں]

اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے کرنے کا حکم نہیں دیا؟

تو ہم کہتے ہیں کہ: پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خارق عادت قوتیں کس لیے عطا فرمائی تھیں؟۔ یہ صرف آپ کی تسلی کے لیے تھیں یا دین کی نصرت کے لیے؟

---

[1] کتاب سلیم بن قیس الهلالی ۸۳ تا ۸۹۔

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خلافت کی گراں بار ذمہ داری تفویض کرتے ہیں؛ اور خارق عادت معجزانہ قوتوں سے مالا مال کرتے ہیں؛ مگر پھر اس طاقت اور ان وسائل کے استعمال سے منع بھی کرتے ہیں؟

## حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور معجزات کا عدم استعمال:

پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے تنازل کرتے ہیں اور اس بات پر راضی ہوتے ہیں کہ آپ امیر معاویہ کے تابع اور ان کی امارت میں مامور بن کر رہیں۔ قطع نظر اس بات کے کہ ایک بڑا لشکر جس نے موت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی؛ وہ بھی آپ کے ساتھ تھا۔ مگر پھر بھی آپ نے بھی اس کے بعد جنگ نہ کی۔ ان کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی جیسا کہ طبری نے ذکر کیا ہے۔

تمہارے عقیدہ کے مطابق معاویہ رضی اللہ عنہ کافر ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ ربانی اسلحہ کے مالک ہیں جس سے پورے عالم کو مغلوب کر سکتے ہیں تو آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو مغلوب نہیں کیا بلکہ خلافت ان کے حوالے کر دی۔ حالانکہ آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کو مغلوب کرنے کی استعداد رکھتے تھے یہی نہیں بلکہ تمہارے عقیدہ کے مطابق تمام روئے زمین کو مغلوب کر سکتے تھے۔

پھر ان کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ آتے ہیں۔ انہیں ان کے شیعہ عراق بلاتے ہیں تا کہ آپ کی مدد کریں۔ اس کے برعکس آپ کو رسوا کرتے ہیں یزیدی لشکر آپ کا معاصرہ کر لیتا ہے اور آپ کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرتا ہے۔ مگر آپ انکار کرتے ہیں۔ آپ اپنے چھوٹے سے گروہ کے ساتھ اکیلے رہ جاتے ہیں۔ آپ کے ساتھ آپ کا پورا گھرانہ خواتین اور بچے موجود ہیں اور آپ کے پاس معجزہ جیسا بہت بڑا اسلحہ بھی ہے جیسا کہ شیعہ کا عقیدہ ہے۔ تو آپ نے یہ اسلحہ اپنی جان اور اہلِ خانہ کی حفاظت کیلئے کیوں نہ استعمال کیا؟

کیا یہ کہنا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے استعمال سے منع کر دیا؟

کیا عقل اس دعوی کو تسلیم کر سکتی ہے؟

پھر یہ دوسرے ائمہ ہیں جو ان کے بعد آئے۔ اور انہیں دین کا رکن رکین امامت

وراثت میں ملی- وہ بحالت خوف کمزوی کی زندگی گزارتے ہیں جب کہ تمہارے عقیدہ کے مطابق ان کے پاس یہ عظیم الشان اسلحہ موجود ہے مگر اس سے نہ وہ اپنی ذات کے لئے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور نہ ہی دین کے لئے۔۔۔!!

تو پھر کیا عقل ایسے دعوے کو مان سکتی ہے؟

## ملیونر ننگے پاؤں:

کیا آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کو کوئی ایسا آدمی ملے جس کا لباس پھٹا ہوا رنگت اڑی ہوئی ہو؛ نہ گھر بار نہ دوست یار؛ کھلے آسمان تلے رہتا ہو۔

پھر آپ اس کے بچوں کو دیکھیں وہ بھی فقیر اور والد کی طرح پراگندہ حال۔

اس کے پاس سے فقیر گزرتے ہوں اور وہ ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک نہ کرسکتا ہو۔

اور آپ اسے صدقہ دینے کے لئے وہاں رک جائیں اور وہ آپ سے کہے مجھے مدد کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس ہر قسم کا مال موجود ہے اور آپ اس سے پوچھیں!

تو پھر آپ اس مال سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے کہ اپنے لئے گھر بنالو اپنے اہل خانہ کے ساتھ بھلائی کرو اور فقرا اور محتاجین پر بھی خرچ کرو؟۔

وہ آپ سے کہے کہ: میں اِس دنیا سے زھد اختیار کر چکا ہوں۔ تو آپ اس صورت میں صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ یا تو یہ جھوٹا ہے کہ درحقیقت اس کے پاس کوئی مال نہیں یا پھر اس کی عقل میں قصور ہے۔ اس لئے کہ یہ کسی عاقل انسان کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ مال کا مالک ہو پھر اس سے فائدہ حاصل کرنے سے اپنی ذات کو بھی محروم رکھے۔ اور اپنے اہلِ خانہ عزیز و اقارب اور محتاجوں کو محروم رکھ کر خزانوں میں مال کو محفوظ رکھے۔

یہ تو دنیا کا معاملہ ہے تو پھر دین کے معاملے میں کیا کہا جائے گا؟ کہ آئمہ جو کہ قدرات اور خزانے کے مالک ہیں اور وہ ذلت اور مغلوبیت کی زندگی گزار رہے ہیں؟۔

شیعہ روایات کے مطابق: ان کا مذہب نقص کا شکار ہے اور متروک ہو رہا ہے۔

ان کے ماننے والے مظلوم اور دربدری کی زندگی گزار رہے ہیں۔ مگر ان خارق عادت و تصور قوتوں سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ کیا یہ ان آئمہ کرام پر جھوٹ نہیں ہے؟

## آئمہ کے متبعین نے یہ سوال کیوں نہیں اٹھایا؟

پھر تمہارے خیال کے مطابق ائمہ اپنے ماننے والوں کے سامنے ان چیزوں کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ اور ہر موقع پر انہیں وہ خارق عادت چیزیں دیکھاتے ہیں جن سے یہ لوگ دہشت میں آ جاتے ہیں اور آئمہ کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر ان میں سے کوئی ایک بھی یہ پوچھنے کی جرات نہیں کرتا کہ: آپ کی ان طاقتوں اور توانائیوں کا کیا فائدہ جب کہ ہم اور آپ اور ہمارا دین ذلت اور رسوائی کا شکار ہیں۔

عقل یقینی طور پر یہ دوٹوک الفاظ میں کہتی ہے کہ یہ روایات بھی جھوٹ گھڑ کر اھلِ بیت کی طرف ایسے منسوب کی گئی ہیں جیسے امامت کا دعوی منسوب کیا گیا ہے۔

## آخری بات:

کیا یہ تنبیہات اس گروہ کی عقل کو بیدار کر سکتی ہیں؟

کیونکہ عقلمند کو جب یاد دلایا جائے تو اسے یاد آ جاتا ہے اور جب خبردار کیا جائے تو وہ خبردار ہو جاتا ہے۔

جبکہ بیوقوف اپنے نفس کو دھوکہ اور فریب میں رکھتا ہے اور اس پر حق قبول کرنا ناگوار گزرتا ہے لیکن!

اسے ندامت ضرور ہوگی مگر............

اس وقت کی ندامت کچھ کام نہ آئے گی۔

❀❀❀❀

ساتواں مسئلہ:

# صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علی الاطلاق اور بالخصوص ابوبکر و عمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم انبیاء کے بعد سب سے افضل ترین ہستیاں ہیں۔

اس عقیدہ پر ان کے دلائل:

اس عقیدہ پر ان کے دلائل کتاب اللہ کی وہ آیات ہیں جن میں ان کی تعریف کی گئی ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ احادیث ہیں جن میں ان کی مدح وتوصیف کی گئی ہے۔

اور عقل ان لوگوں کی کامیابی کا تقاضہ کرتی ہے جو تاریخ کے اس عظیم ترین مدرسہ کے تربیت یافتہ ہیں جہاں کے معلم اور مربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور یہ سارا کام اللہ رب العالمین کی نگرانی میں ہو رہا تھا۔

اور واقع الحال بھی اس کے گواہ ہیں کیونکہ انہوں نے تھوڑی سی مدت میں عالم فتح کرلیا۔

جبکہ شیعہ اثنا عشریہ اس مدرسہ پر ناکام ہونے کا حکم لگاتے ہیں اور کہتے ہیں چند کے علاوہ تمام صحابہ ناکام ہو گئے تھے۔ یہ چند انگلیوں کی تعداد کے برابر ہیں۔

کافی میں حمران بن اعین سے روایت ہے کہا: میں نے ابوجعفر سے پوچھا: ''میں آپ پر قربان جاؤں ہم کتنے کم ہیں ایک بکری پر جمع ہو جائیں تو اسے ختم نہ کرسکیں؟

آپ نے کہا: کیا میں تمہیں اس سے بھی عجیب بات نہ بتاؤں؟

مہاجرین اور انصار سارے مرتد ہو گئے تھے سوائے تین کے اور ہاتھ کے اشارے سے تین کا عدد بتایا۔'' [1]

---

[1] الکافی: ۲/۲۴٤۔

## کیا یہ حکم عقلی طور پر مقبول ہے یا نہیں؟

اس لئے کہ عقل سلیم جب خارجی موثرات سے محفوظ رہے اور حقائق کی تلاش میں صداقت سے کام لے تو حق تک رسائی ہو جاتی ہے۔

یہاں پر ہم اختصار کے ساتھ اس تسلسل کی حقیقت بیان کرتے ہیں:

اولا:...... مہاجرین صحابہ مشرک اور اپنی قوم کے دین پر تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنے نبی محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو آپ نے ان کے دین پر تنقید کی ان کے عقلاء کو بیوقوف بتایا۔ اور ان کے عقائد کو باطل ٹھہرایا۔ آپ کی قوم نے آپ ﷺ کی تکذیب کی؛ اور اس دعوت کا انکار کیا۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے قوم کی مخالفت کی؛ اور تمام تر نامساعد حالات کے باوجود اسلام قبول کر لیا۔ تو ان کی قوم نے انہیں تکالیف دیں ان سے قطع تعلقی کی بہت سوں کو مارا پیٹا کچھ کو قتل کر دیا۔ جو بھی مسلمان ہوتا وہ ان کی نظروں سے گر جاتا اور مجالس سے محروم ہو جاتا۔ ان پر ان کا دانہ پانی بند کر دیا جاتا۔ کچھ نے برداشت کا مظاہرہ کیا اور کچھ افراد کے خاندان نے ان کی حمایت اور پشت پناہی کی اور بعض نے دیس چھوڑ کر پردیس کی تکلیفیں اٹھائیں اور حبشہ کی طرف ہجرت کر لی گھر بار اور اہل وعیال چھوڑ کر چل پڑے نہ کوئی مال ساتھ لیا اور نہ ہی کوئی دنیاوی مقصد پا سکے۔ شیعہ اور سنی کوئی بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کرتا۔ لیکن ظاہر ہوتا ہے کہ شعیہ کتابوں میں ان اہل ایمان کے پورے پورے احوال ذکر نہیں کیے گئے۔ اور نہ ہی دین اسلام کی وجہ سے ان پر آنے والی مشکلات کا کوئی تذکرہ ہے اسی لئے ان حضرات پر جب بھی کوئی تہمت لگائی گئی شیعہ نے اسے آسانی سے قبول کر لیا۔

دوئم:...... یہ حضرات جو دینِ اسلام میں داخل ہوئے یا تو اس دین پر قناعت اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان کی وجہ سے مسلمان ہوئے ہوں گے یا پھر انہوں نے جو کچھ کیا اسلام قبول کرنا ایمان لانا تکالیف برداشت کرنا یہ سب دھوکہ اور منافقت ہو گی تا کہ اس غیب تک پہنچ سکیں جس کا انتظار اسلام کو ہے یعنی دین کی نصرت؛ غلبہ اور استحکام۔

عصر قریب سے ایک مثال اس حقیقت کی وضاحت کے لئے لیتے ہیں۔

❀ یہ خمینی جی ہیں؛ خمینی کا ظہور ظالم بادشاہ کے عہد میں ہوا؛ جس نے اسے تکلیفیں دیں؛ جیل میں ڈالا اور اس پر زندگی تنگ کر دی اور پھر ملک بدر کر دیا۔ ان سخت حالات میں بھی کچھ لوگ خمینی سے نبھاؤ کرتے رہے اور اس کی شاگردی اختیار کی۔ انہیں بھی خمینی کی طرح قید و بند اور ملک بدری کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ تو اب کیا یہ کہنا ممکن ہے کہ یہ شاگرد جھوٹے تھے؛ اور خمینی پر قناعت نہیں کرتے تھے لیکن انہیں اس کی کامیابی کی توقع تھی اسی لئے اس کے ساتھ مل گئے تھے تاکہ دنیاوی مکاسب حاصل کرسکیں۔

❀ اگر کوئی ایسی بات کہے گا تو اس کی بات رد کر دی جائے گی باوجود اس کے کہ عصرِ حاضر میں علم و تجربہ کی روشنی میں ایسی توقع کا وجود ممکن ہے مگر ہم کسی بھی ایسی بات کا دعویٰ نہیں کرتے۔

جبکہ قریشی معاشرہ میں کوئی ایسے تجربہ کار؛ علم و خبر رکھنے والے موجود نہ تھے جس کی وجہ سے اس احتمال کو مطلق طور پر قبول کیا جائے۔

اگر یہ احتمال بعض اسباب کے باوجود خمینی کے ساتھیوں سے قبول نہیں کیا جا سکتا تو مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہ احتمال اور توقع بہت دور کی بات ہے۔

سوئم:...... یہ حضرات انصار رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں جو مدینہ سے حج کے لئے تشریف لائے تھے اور ان کی ملاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگئی اور یہ لوگ اسلام لے آئے۔ پھر واپس جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی ان میں سے بہت سارے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اگلے سال یہ لوگ دوبارہ حج کے لئے گئے۔

یہ ایک بڑا گروہ تھا جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور اسلام قبول کر لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت پر آپ کی بیعت کی۔ حالانکہ انہیں آپ کی قوم کی دشمنی کا علم تھا۔ اور اس وقت میں تمام عربوں کی دشمنی اور پھر اس کے نتیجہ میں متوقع نتائج کا اندازہ تھا جبکہ حقیقی نتائج کا علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس تھا۔

کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں اسلام لائے تھے؛ اور جنگ وقتال پر بیعت کی تھی؟ یا پھر بیعت کرنے اور اسلام لانے کا مقصد یہ تھا کہ انہیں علم تھا کہ آخر کار انہیں حکومت مل جائے گی؛ اور وہ وہاں پر خلفاء بن کر بیٹھ جائیں گے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا عقلمند انسان جسے اپنی عقل کا ذرا بھر بھی احترام ہو؛ وہ اس بات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان لوگوں کو اسلام لانے اور اس بیعت پر برانگیختہ کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت تھی۔

چہارم:...... یہ حضرات انصار رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں؛ جنہوں نے مکہ مکرمہ سے آنے والے اپنے مہاجرین بھائیوں کا پرتپاک استقبال کیا۔ ان کے لیے اپنے گھر بار کھول دیے۔ اور اپنے مال ان کی راہوں میں نچھاور کردیے۔ اور یہ اموال ان کے درمیان تقسیم کردیے۔ حتی کہ انصار اپنے مہاجر بھائیوں کو یہ پیشکش بھی کرتے کہ وہ اپنی ایک بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں؛ وہ اس سے شادی کرلے۔

- کیا یہ ساری باتیں ایسی دنیا کی طمع اور خواہش کی وجہ سے تھیں جس کے مستقبل کا انہیں کوئی علم نہیں تھا۔ کہ انہیں اس میں سے کچھ ملے گا یا نہیں؟ یا پھر ان کا سبب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان تھا؟۔
- کیا آپ انسانی تاریخ میں کوئی ایسی مثال تلاش کرسکتے ہیں کہ کوئی انسان اپنا گھر بار اور مال اپنے کسی بھائی پر اس لیے خرچ کردے کہ ایک خیالی اور مبہم دنیا اسے ملنے والی ہے ؟۔
- ایسے حقائق میں شکوک وشبہات کا اظہار کرنا دراصل حقائق کی نفی ہے۔ جس کی وجہ سے تاریخ اور سچائی کی ظاہری حقیقت پر اعتماد ختم ہوجاتا ہے۔ اور انسانی عقل حماقت اور جنون کا شکار ہوجاتی ہے۔

پنجم:...... ہم تمام لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر؛ حضرت عمر؛ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم؛ یہ تمام لوگ ابتدائی ایام اسلام سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ قطع نظر اس بات سے کہ ان میں سے کون پہلے اسلام لایا اور کون بعد میں۔

❀ ابتدائے دعوت سے ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا؛ کسی بھی وقت سفر یا حضر میں؛ جنگ اور سلامتی میں ؛ خوف اور امن میں؛[ کسی بھی حالت میں ] آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ سوائے ان چند مواقع کے جب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا۔

اس مسئلہ میں شیعہ اور اہل سنت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ششم :...... یا تو یہ لوگ ظاہری اور باطنی طور پر مؤمن تھے۔

یا پھر صرف ظاہری طور پر مؤمن تھے؛ اور باطن میں نبی کریم ﷺ پر گردش ایام کے منتظر تھے؟۔

یہ دوسرا نکتہ اہل سنت و الجماعت کے ہاں ممتنع ہے۔ لیکن پھر بھی منطقی لحاظ سے کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے کچھ دیر کے لیے اس کو تسلیم کر لیتے ہیں۔

ہفتم :...... اگر یہ لوگ واقعی ایسے ہی تھے ؛ تو پھر کیا:

رسول اللہ ﷺ کو ان چیزوں کا علم تھا یا نہیں تھا؟۔

اگر آپ جانتے تھے؛ تو - استغفر اللہ و معاذ اللہ - آپ ہی اس کا اصل سبب تھے ؛ کہ آپ کو ان کی ان فاسد اور بری نیتوں کا علم تھا؛ مگر پھر بھی آپ نے ان حضرات کو ان تمام مواقع پر اپنے ساتھ باقی رکھا۔ کہ ہر وہ انسان جو آپ ﷺ کو دیکھتا تھا؛ وہ ان حضرات کو بھی آپ کے ساتھ ہی دیکھتا تھا۔ اور آپ ﷺ سے روایت کرنے والا ہر انسان ان حضرات کی آپ کے ساتھ قربت کو بھی روایت کرتا ہے۔ یہ ظاہر میں اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ ان سے محبت کرتے تھے اور ان پر راضی تھے۔

بلکہ اس سے بڑھ کر آپ نے ان کی مدح و توصیف سے کام لیا ہے۔

بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر ان میں سے کچھ کی بیٹیوں سے خود شادیاں کیں ؛ اور کچھ کو اپنی بیٹیاں بیاہ کر دیں۔

ہشتم :...... آپ اپنے بہت سارے کاموں میں ان حضرات سے مشورہ لیا کرتے تھے ؛ اور ان کی رائے کو قبول فرمایا کرتے تھے۔

نہم:......آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی امامت کرنے کا حکم دیا؛ اور آپ رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے تمام ایام میں؛ جب رسول اللہ ﷺ خود باہر تشریف نہیں لا سکتے تھے؛ تو آپ ہی امامت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

اگر ایسا رسول اللہ ﷺ کی رضا مندی اور اختیار سے ہوا تھا؛ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے؛ تو پھر معاذ اللہ یہ امت کے ساتھ بہت بڑا دھوکہ ہے۔

اور اگر ایسا رسول اللہ ﷺ کی رضا و رغبت کے بغیر پیش آیا؛ کہ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو گھیر رکھا تھا؛ اور آپ پر مسلط ہو گئے تھے؛ تو معاذ اللہ یہ آپ کی نبوت پر طعنہ زنی ہے جس سے تبلیغ نبوت و رسالت پر اعتماد مفقود ہو جاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ خوف کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی ان لوگوں کو اپنے قریب کرتے اور ان کی مدح و توصیف کرتے۔

جب نہ چاہتے ہوئے بھی خوف کے مارے ان کی تعریف کر سکتے ہیں؛ تو پھر نہ جانے ان لوگوں کے خوف سے دین کی کتنی ہی چیزیں چھپا دی ہوں گی۔ استغفر اللہ۔

اور پھر اس بات کا کیا بھروسہ کہ آپ نے کتنی ہی چیزوں کی شرح ان کے خوف سے ان کی مرضی کے مطابق ہی کی ہو گی؟۔

ایسی باتوں سے اللہ تعالیٰ کے دین پر اعتماد اور بھروسہ ختم ہو جاتا ہے۔

پھر جتنی بھی روایات ان حضرات کے ذریعہ سے روایت کی گئی ہیں؛ ان سب پر اعتماد اور بھروسہ ختم ہو جاتا ہے۔

قرآن کو نقل کرنے والے یہی لوگ ہیں۔

ان تمام حضرات کے ایمان کی گواہی دینا؛ ایسے ہی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان پر گواہی دینا - یہ گواہی ان تمام حضرات پر اعتماد و ثقاہت کو رفعت اور بلندی دیتی ہے۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے قرآن کو نقل کیا ہے۔

ہمارے نزدیک ان تمام حضرات کا ایمان صحیح اور ثابت ہے۔

ہمارے لیے ان میں سے مؤمن اور غیر مؤمن کی تمیز اور معرفت خود ان حضرات کی گواہی کے بغیر ممکن نہیں۔

دہم:...... پھر یا تو اللہ تعالیٰ یہ بات جانتے تھے کہ یہ لوگ ظاہری اور باطنی طور پر مؤمن ہیں؛ یا پھر نہیں جانتے تھے۔

اگر اللہ تعالیٰ یہ بات جانتے تھے- اور یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتے تھے؛ اور ایسے فرضی اشکالات پر ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرتے ہیں؛ اور پناہ چاہتے ہیں- اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی نبی کریم ﷺ سے قربت کو برقرار رکھا؛ یہی نہیں؛ بلکہ انہیں اپنے نبی کریم ﷺ کی صحبت کے لیے چن لیا؛ اور کئی ایک آیات مبارکہ میں ان کی تعریف و توصیف اور مدح سرائی کی۔ یہ تو ان کے صاحب ایمان ہونے کی؛ اور ان کے فضائل پر دلیل ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ نہیں جانتے تھے- ہم ایسے بدعقیدہ ظالم لوگوں کے کفریہ عقائد سے توبہ کرتے ہیں۔؛ تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر طعنہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ بلند و بری ہیں۔

اور اگر اللہ تعالیٰ ان کے باطن کی حالت کو جانتے تھے؛ مگر پھر بھی انہیں اپنے نبی کے ساتھ برقرار رکھا؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ان کی حقیقت حال کا علم تھا؛ مگر پھر بھی اپنے نبی کو اس کی خبر نہیں دی؛ تو یہ خالق باری تعالیٰ پر طعنہ زنی ہے۔ استغفر اللہ

تو پھر جو ہوا؛ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ارادہ سے ہی ایسے ہوا ہے کہ یہ حضرات اس کے نبی ﷺ کے گرد و نواح میں رہیں؛ اور آپ پر مسلط ہو جائیں؛ اور لوگوں پر دین اسلام کی حجت قائم نہ ہونے دیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ [النساء: ١٦٥]

''رسول جو خوشخبری دینے اور ڈرانے والے تھے، تاکہ لوگوں کے پاس رسولوں کے بعد اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہ جائے اور اللہ غالب، کمال حکمت

والا ہے۔''

یازدہم: ...... اور اگر اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ یہ لوگ اہل ایمان تو ہیں مگر بعد میں مرتد ہو جائیں گے؛ اور وصیت کے بارے میں خیانت کریں گے؛ اور پھر بھی انہیں اسی حالت پر باقی رکھا؛ اور ان کے حال کو آشکار نہیں کیا؛ بلکہ ان کی تعریف اور مدح سرائی کی؛ اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کی تعریف اور مدح سرائی کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ان کے حال کی خبر نہیں دی۔ تو یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر تہمت ہے۔ کیونکہ ان کے مابین جو کچھ پیش آیا تو اس کا سبب - شیعہ عقیدہ کے مطابق - اللہ تعالیٰ ہی ہوئے؛ -ہم ایسی فرضی باتوں پر توبہ واستغفار کرتے ہیں- لیکن ان باطل اور فرضی باتوں سے مقصود یہ ہے کہ شیعہ کی سوئی ہوئی فکر کو بیدار کیا جائے۔ تاکہ وہ ان فرضی اور من گھڑت روایات سے نجات پا سکیں جنہوں نے ان لوگوں کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اور ان کے لیے سوچ و بچار کا کوئی موقع ہی نہیں چھوڑا۔

دوازدہم: .... اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو اس لیے مبعوث کیا تھا تاکہ آپ اسلامی حکومت قائم کر سکیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝﴾ [التوبة ٣٢-٣٣]

''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور مگر اللہ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتے ہیں، خواہ کافر برا ہی جانیں۔ وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے، خواہ مشرک برا جانیں۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ [الفتح: ٢٨]

''وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تا کہ اسے ہر دین پر غالب کر دے اور اللہ تعالیٰ گواہ کے طور پر کافی ہے۔''

❀ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کریم ﷺ کے ساتھ وعدہ تھا؛ تو کیا نبی کریم ﷺ نے اس مقصد کو پورا کیا؟

❀ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے اس گروہ کی ایسی تربیت کی جو اس طرح کا ملک قائم کر سکیں؛ اور انہیں شرک کے اندھیروں سے ایمان کی روشنی کی طرف نکالا۔ انہیں لوگوں کے سامنے بھی بلند مقام و مرتبہ عطا کیا۔ اور قربت سے نوازا۔ ان ہی میں سے آپ کے مشیر اور ہم مجلس بھی تھے۔ اور ان میں سے ہی ایک آدمی کو چن لیا؛ اور اسے خصوصی قربت سے نوازا؛ اور سب سے بڑے موقعہ پر اسے بلند مقام عطا کیا؛ حتی کہ لوگ بھی اس کی قدر و قیمت سے آگاہ ہو گئے۔ ان کی فضیلت کو پہچان لیا؛ اور ان کی تعظیم کرنے لگ گئے۔ اس سے پہلے ان کی قوم میں نہ اس انسان کو نہ ہی اس کے خاندان کو یہ مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ اس ہستی سے راضی ہو جائے۔

❀ یہ انسان جس کو نبی کریم ﷺ نے یہ بلند مقام عطا کیا؛ حتی کہ صحابہ کی نظروں میں آپ کی عظمت واضح ہو گئی؛ اگر یہ واقعی اس کا اہل تھا؛ تو نبی کریم ﷺ نے ایک درست اقدام کیا؛ اور حق بات تک رسائی حاصل کر لی۔ اور یہی ہمارا عقیدہ ہے۔

❀ اور اگر یہ اس مقام و مرتبہ کا مستحق نہ تھا - استغفر اللہ العظیم - تو آپ ﷺ ایک ایسے انسان کو بلند مقام عطا کرنے کا سبب بن گئے جو کہ بعد میں دین کو بدل دے گا؛ اور اسلامی مملکت قائم کرنے کی آپ کی وصیت کو توڑ ڈالے گا؛ اور اس کی جگہ ایک کفر کی مملکت قائم کر دے گا۔ معاذ اللہ کہ ایسا کچھ ہوا ہو۔

❀ وہ شخصیت اور ہستی جناب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

❀ آپ کو ہر موقع پر نبی کریم ﷺ سے قربت کا شرف حاصل رہا۔

❀ اور جب تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ پیش آیا؛ جب آپ ہجرت کر کے جا رہے تھے تا کہ اسلامی مملکت قائم کی جاسکے؛ تو اس وقت آپ کو ہی ہمراہی کا شرف بخشا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ [التوبة: ٤٠]

”اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو بلاشبہ اللہ نے اس کی مدد کی، جب اسے کافروں نے نکال دیا، جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا، وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اپنا سکون اس پر اتارا؛ اور اسے ان لشکروں کے ساتھ قوت دی جو تم نے نہیں دیکھے اور کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ کی بات ہی سب سے اونچی ہے اور اللہ تعالیٰ غالب، کمال حکمت والے ہیں۔“

❀ اور پھر نبی کریم ﷺ نے ان کی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی؛ یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے بہت بڑا شرف تھا کہ آپ کی بیٹی ام المؤمنین بن گئیں۔ رضی اللہ عنہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَن تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُم مَّعْرُوفًا كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا﴾ [الاحزاب: ٦]

”نبی اکرم ﷺ مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں؛ اور کتاب اللہ میں رشتہ داروں حق ایک دوسرے پر

مؤمنین اورمہاجرین سے زیادہ ہے اور یہ کہ تم اپنے دوستوں سے نیکی کرو۔ یہ حکم کتاب میں لکھا ہوا ہے۔''

* غزوہ بدر کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے چھپر کے سب سے زیادہ قریب آپ ہی تھے۔ان دونوں کے علاوہ کوئی اور انسان وہاں پر نہیں تھا۔
* اپنی مرض وفات میں آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کی امامت کروائیں۔

ان کے علاوہ بھی کئی ایک مواقف/مواقع ہیں جن سے نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت اور مزید قربت واضح ہوتی ہے۔یہ ہمارے ہاں صحیح ترین کتابوں میں ثابت ہے۔

* یہی خصوصیت تھی جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی بیعت کی؛ آپ کو خلیفہ بنایا ؛اور آپ کے ہر حکم اور نہی پر اطاعت گزاری کا دم بھرتے رہے۔آپ نے مختلف علاقوں کو فتح کرنے کے لیے لشکر روانہ فرمائے؛ اور اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا؛ اس میں بھی لوگ آپ کے اطاعت گزار رہے۔حالانکہ نہ ہی آپ کا قبیلہ بہت بڑا اور طاقت ور تھا؛ اور نہ ہی آپ کے پاس مال و دولت تھے کہ لوگوں کو دیکر اپنے ساتھ ملاتے۔ پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی رضا مندی سے آپ کو نبی کریم ﷺ کے پہلو میں دفن کردیا گیا۔
* اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی آپ قابل صد احترام ہی رہے؛ اس کی کیا وجہ تھی؟ یہ وجہ نبی کریم ﷺ سے قربت تھی۔
* اگر یہ بات درست ہے؛ جیسا کہ ہم لوگوں کا عقیدہ ہے۔تو پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس مقصد کا ایک جزء تھے جس مقصد کے لیے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا تھا۔

اور اگر یہ بات غلط ہے- استغفر اللہ- ہم بارگاہ رسالت مآب میں ایسے مفروضوں پر عذر پیش کرتے ہیں- ؛ ان سے ہمارا مقصد ان لوگوں کو بیدار کرنا ہے جنہیں ان غلط روایات

نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے؛ جو کہ بارگاہ رسالت مآب میں گستاخی کا سبب بنتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی بعثت کا مقصد پورا نہیں کر سکے۔

- کیا عقل اس چیز کو تسلیم کرسکتی ہے کہ یہ تمام امور نبی کریم ﷺ کی رضامندی کے بغیر پیش آ گئے؛ حالانکہ آپ نے ہی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ مرتبہ اور عظمت عطا کی تھی۔

سیزدھم:...... اگر یہ لوگ دین اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو گئے تھے؛ تو پھر بتایئے کہ یہ لوگ دین اسلام کو چھوڑ کر کس دین پر چلے گئے تھے؟!!

- ان حضرات کی زندگیاں ایک کھلا ہوا باب ہیں۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو قائم کیا؛ نمازیں قائم کرتے رہے؛ زکواۃ ادا کرتے؛ رمضان کے روزے رکھتے؛ بیت اللہ کا حج کرتے؛ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے؛ اور روئے زمین کو فتح کرتے۔ حلال کو حلال جانتے اور حرام کو حرام جانتے۔ اور دین کی کوئی چیز ان حضرات نے ترک نہیں کی۔

- عصر جاہلیت میں ان کا دین ان مذکورہ بالا امور کے خلاف تھا۔ تو پھر یہ حضرات کس دین کی طرف پلٹ گئے تھے؟
- اگر یہ بات کہیں کہ: انہوں نے امامت (خلافت) کو ترک کر دیا تھا؛ اور ایک دوسرے انسان کو خلیفہ بنالیا تھا!!!

تو ہم پوچھتے ہیں کہ ایک قبیلہ کے ایک انسان کو خلافت ملی؛ تو پھر تمام قبائل اس بات پر کیسے راضی ہو گئے کہ ایک شخص ایک قبیلہ سے ان پر بادشاہ بن جائے؛ اور یہ لوگ مرتد ہو جائیں؛ اور اس کی وجہ سے وہ اپنے دین کا خسارہ برداشت کریں۔ اور پھر ایسے شخص کی اطاعت گزاری میں جلدی کرنے لگ گئے جو کہ مرتد ہو گیا تھا۔ حالانکہ ان لوگوں نے اپنے آباء واجداد کے دین کے برعکس ایک دوسرے دین کو قبول کیا؛ اور اسے اپنی زندگیوں میں نافذ کیا؛ اور پھر اپنی ساری زندگیاں اس دین کو پھیلانے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے میں لگا دیں۔

کیا یہ ان کی طرف سے کھلا ہوا تضاد نہیں ہے؟!!!!

کیا ان میں اپنے دین اور شرف کے لیے اتنی بھی غیرت اور حمیت نہیں تھی کہ اس انسان کے خلاف بغاوت اور نافرمانی کا اعلان کر دیں جو ان پر ایسا دین لازم کر دے جس پر وہ خوش اور راضی نہیں ہیں۔

❀ کیا ایسے نہیں ہوا - جیسا کہ شیعہ کا خیال ہے - کہ امامت پر اعتداء (تجاوز) کیا گیا؛ اور اسے ختم کر دیا گیا؛ حالانکہ امامت دین کے ارکان میں سے ایک رکن تھا۔ اور پھر ان پر باقی دین قبول کرنے کو لازم کر دیا گیا؛ جو کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں امامت کے بغیر کچھ بھی کام نہیں آئے گا۔ جیسا کہ شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے۔

❀ بلکہ ان سے اس راہ میں جہاد کرنے اور اس بنیاد پر موت کو قبول کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ وہ بخوشی اس راہ میں آگے بڑھتے رہے؛ حالانکہ ان کا ایسا کرنا انہیں اللہ کے ہاں کچھ بھی کام نہیں آئے گا - جیسا کہ شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے - ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصوب و متعین امام کی بیعت نہیں کی تھی۔ جیسا کہ شیعہ لوگوں کا دعوی ہے۔

❀ ذرا سوچیے! اگر کچھ لوگ ایسے ہوں جو اس سارے کام سے مستفید ہو رہے ہوں؛ تو ان دسویں ہزار لوگوں کا کیا قصور ہے؟ کیا وہ ان چند افراد کے حساب میں شمار ہوں گے؟۔

❀ عقل سلیم ان تمام احتمالات کو تسلیم نہیں کرتی جو کہ اہل بیت نبوت کی طرف منسوب غیر صحیح روایات کے نتیجہ میں سامنے آتے ہیں؛ اور اس اتنی بڑی تعداد پر مرتد ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے۔ یہ تو رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب ؛ القرشی الہاشمی رضی اللہ عنہ کے خلاف حسد و بغض اور دشمنی کی وجہ سے ایک سازش ہے۔ - جیسا کہ شیعہ لوگ گمان کرتے ہیں - ۔ اور ان لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر حسد نہیں کیا؛ کیونکہ آپ بنو ہاشم کے اس قبیلہ میں سے نہیں تھے جس کی تعظیم عرب عہد جاہلیت میں بھی کرتے رہے تھے اور اسلام میں بھی۔

❀ بلا شک وشبہ وہ عقلی دلائل جو ان تمام دعووں کو ان کی جڑوں سے اکھیڑ کر رکھ دیتے ہیں؛ ان کا ایک لا متناہی تسلسل ہے۔ لیکن ہم یہاں پر ان چند اشارات پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اور یہ ان لوگوں کے لیے کافی ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے کھول دیا ہو؛ اور ان کی عقل بیدار ہو؛ تاکہ وہ ان مسائل میں غور وفکر کر سکیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ انہیں راہ حق کی طرف ہدایت دے۔ [آمین]

بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی حفاظت فرماتے ہیں جو اس کی پناہ میں آئیں؛ اور اس سے عصمت کے طلبگار رہوں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہمارے دلوں کو ہدایت دے؛ اور ہماری عقول کو بیدار کردے۔ اور ہمارے فہم کو درست کرے۔ اور ہمیں تمام فتنوں سے محفوظ رکھے؛ اور تمام امت کو قرآن کے جھنڈے کے نیچے نبی ہادی امین ﷺ کی سنتوں پر اور آپ کے اصحاب کی راہ پر جمع کردے۔ بیشک وہ سننے اور جاننے والا ہے۔

☆.....☆.....☆

# دو لازمی نوٹ

اول: ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اہل بیت کی محبت دین وایمان ہے۔ اور ہم ان کی محبت کو اللہ تعالیٰ کا دین سمجھ کر قبول کرتے ہیں؛ اور اس محبت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ان لوگوں پر درود پڑھنا نماز کے واجبات میں سے ہے۔ جس کے بغیر ہماری نماز مکمل نہیں ہوتی۔

لیکن ہم یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ: اہل بیت کی طرف منسوب روایات اور عقائد صحیح نہیں۔ یہ باتیں اس علمی منہج کی روشنی میں کہی جاسکتی ہیں جو کہ بیک وقت عقل سے بھی مطابقت رکھتا ہے۔ یہ عقلی گفتگو اس کی ایک مثال اور نمونہ ہے۔

دوم: ہماری اس گفتگو کی بنیاد وہ روایات اور عقائد ہیں جن پر دوسرے عقائد کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ اور ان کے مابین تناقض پایا جاتا ہے۔ اور انہیں آل بیت کی طرف منسوب کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔

☆......☆......☆
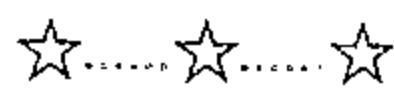
آخر میں ہم نصیحت کرتے ہیں کہ شیعہ عالم آیت اللہ العظمی البرقعی؛ جنہوں نے شیعہ مذہب کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا؛ ان کی کتاب "کسر الصنم" کا مطالعہ ضرور کیا جائے۔ اس کتاب میں انہوں نے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازش اور منصوبے سے پردہ چاک کیا ہے۔ اس میں ایسی باتیں بھی ہیں جو کہ سونے کے پانی سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اور ہم یہ امید کرتے ہیں کہ یہ عقلی گفتگو ایسی سنجیدہ سوچ وفکر کو بیدار کرے گی جس میں ان لوگوں کے لیے اس حقیقت کا پردہ چاک ہوگا جو کہ حقائق کے متلاشی ہوں۔ اور امت کے لیے ایک جھنڈے کے نیچے کتاب وسنت پر جمع ہونا ممکن ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ:

اللہ ھو الموفق!

❀❀❀❀

# فہرست